

سلسلہ مشاہیر اسلام

نمبر

ابو جبرئیل

یعنی

حضرت شیخ ابو بکر دلف بن محمد ربی رحمہ اللہ کے سوانح عمری
اپکا تصوف و آپ کے اخلاق عادات جذبات تعلیمات و اقوال

مؤلف

مولانا مولوی محمد عبدالکلیم صاحب شریعہ مولف تاریخ سندھ و تاریخ
ارض مقدس و جنید بغدادی و مصنف ناو الہائے ملک العزیز و رحمت
ایام عرب۔ فتح آندلس و فردوس برین و غیرہ وغیرہ

۱۹۰۷ء میں

دکنڈا پریس لکھنؤ میں چھپ کے شائع ہوئی

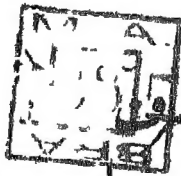
(کل حقوق محفوظ ہیں)

مر بیان سلسلہ مشاہیر اسلام

ع خدا خود میر سامان است ہباب توکل را۔ بہین امید نہ تھی کہ ملک قوم سوار
کتاہون کی ایسی قدرانی ہوگی جیسی ظاہر ہوئی۔ سب سے پہلے عالیجناب راجہ نوشاد علی خان بہادر
پچاس جلدوں کی خریداری فنکے حوصلہ افزائی کی اور ضرورتی دستگیری سیم فوہل ہم کام کو شروع کر
سے معلوم ہوا کہ اگر محنت قابلیت کا لیا جاوے تو ملک قوم سے ضرورت ملتی ہی چنانچہ موجدہ فرست ہا کر برہنہ کی
(۱) عالیجناب بین السلطنت سر ہاراجہ مدارالمہام بہادر وزیر دولت و صغیفہ کن دم اقبالہ۔ ۱۰۰
(۲) عالیجناب نواب سلطان الملک بہادر دام اقبالہ۔ حیدر آباد و کن۔ ۱۰۰
(۳) عالیجناب راجہ نوشاد علی خان بہادر دام اقبالہ۔ تعلقہ داد میلا برائے پور داودہ۔ ۵۰
(۴) عالیجناب نواب بوٹھر سید علی حسن خان بہادر فرزند نواب صدیق حسن خان مرحوم بیٹھن پال۔
(۵) عالیجناب راجہ اعجاز رسول خان صاحب رئیس جہانگیر آباد۔
(۶) مولانا مولوی محمد عبدغنی صاحب عظیم آبادی دارنی۔ (حیدر آباد و کن) ۱۰
چند حضرات اس سے کم جلدیں خرید فرماتے ہیں ان کے ناموں کو ہم نے اب کی مرتبہ چھوڑ دیا
ان کے معزز نام آئندہ اسی سلسلے کی کسی جلد کے ساتھ شائع کر دیے جائیں گے۔
ابھی بہین چند اور ایسے مرتبہ کی ضرورت ہو جو اس سلسلے کی کتابوں کی متعذر جلدیں جس
خرید فرمائے ان لوگوں میں تقسیم فرما دیں جو قیمت کے لینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس میں شک نہیں
ملک قوم کے لیے نہایت مفید و ملکہ ضروری ہو اسی ترتیب اگر دلائل نہیں لائیں شائع ہو جائیں گی تو عام لوگوں
سے بہت اچھی اور سچی واقفیت ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف گروہوں میں جو باہمی تعلق
ہیں کم ہونے لگے مثلاً علمائے ظاہر کا گروہ صوفیہ کو۔ اور صوفیہ کی ایک طاعت علمائے کبرا کہتی ہو یہی
مختلف مذاہب کے پیروں کا ہے۔ اور اس کا کوئی لحاظ نہیں کرتا کہ بزرگان مشاہیر سلف میں ہر شخص یا کما
مگر ان کے کمالات ہمیں اسی وقت نظر آسکتے ہیں جن میں ان کے محل پر اور انھیں کچھ مین کہہ کے دیکھیں اس سلسلہ
ذریعہ سے ہم انشاء اللہ ہر گروہ کے لوگوں کو دکھائیں گے۔ اور اس شان سے کہ ان کے خصوصیات کا ہر لوگوں کی نظر
المتمس۔ محمد قاروق منیجہ دنگر از۔

طوطی مکیشین

یون تو دولت آصفیہ حیدر آباد کن سے ہر فن اور ہر
مفید کوشش کو مدد ملتی ہو مگر عالیجناب بین السلطنتہ سرہارم
کشن پر شاد بہادر شاہ پیشکار و مدار المہام سرکار عالی دام اقبالہ
کو جو خاص دلچسپی فن تصوف سے اور جیسی عقیدت بزرگان صوفیہ
سے ہو اُسکے لحاظ سے میں اپنا فرض تصور کر کے اس کتاب
کو بہ کمال ادب جناب محتشم الیہ کے نام نامی سے مضمون
کرتا ہوں۔



گر قبول اقتدر ہے عز و شرف
خاکسار۔ محمد عبدالمیم شہر

11A57



التاس

سلسلہ مشاہیر اسلام کا یہ دوسرا نمبر قدردانوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ کے حالات و مرج ہیں۔ اور امید ہے کہ یہ نمبر پہلے سے زیادہ مکمل ثابت ہوگا۔

ناظرین کو بادی النظر میں صرف چھپوانے کی دشواریاں نظر آتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ہر لائف کے مرتب کرنے میں کس قدر ورق گردانی اور دماغ سوزی کی ناظر تھی ہے۔ پھر اس پر جب کتابوں کے تلاش کرنے اور ہم پہونچانے کی زحمت بھی اضافہ ہو جاتی ہے تو مصنف کے سر ناقابل برداشت ہو چھڑ جاتا ہے۔ اگرچہ ہمیں ناشکری نہ کرنی چاہیے۔ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی۔ نواب سید علی حسن خان صاحب ہادر۔ اور مولانا محمد عبدالباری صاحب فنی مجلسی۔ نے کتابوں کے محنت فرمانے میں نہایت فیاضی سے کام لیا ہے۔ لیکن پورا فائدہ اُسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب کتاب اپنے کتب خانے میں ہو۔ اور جب ہمیشہ فرصت کے وقت فراغت و اطمینان سے اُس پر نظر ڈالی جاسکے۔ الغرض اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے ترتیب و تدوین کی محنت اور چھپوانے کے مصارف کے علاوہ خرید کتب کا بھی ایک بڑا بار مصنف کے سر ہے۔ اور وہ اسی طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ قدردان اس سلسلے کی اشاعت میں جان و دل اور سچے شوق سے کوشش فرمائیں۔

سب سے زیادہ قابل شکر یہ وہ فیاض رؤساذ ہر گان قوم ہیں جنہوں نے

بہت سی جلدوں کی خریداری محض اعانت کے لیے قبول فرمائی۔

جن حضرات نے تیار ہوتے ہی ایک جلد و حتیٰ پتی بھیج دینے کی عام اجازت عطا فرمائی ہے۔ اُن کا شمار دوسو سے کسی قدر زیادہ ہے۔ غالباً اس سلسلے کے آئندہ نمبر کے ساتھ ہم اُن بزرگوں کے اسمائے گرامی کو بھی شائع کر سکیں گے۔ فی الحال ہم بزرگ قوم شاہ الثقات احمد صاحب سجادہ نشین رُوولی شریف کے اصرار و شوق سے حضرت امام المتکلمین شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے حالات مرتب کر رہے ہیں۔ جو امید ہے کہ جلد شائع ہو سکیں گے۔ اگرچہ اس لائف میں بعض دقیق مسائل چھیڑنا ہوں گے۔ کیونکہ علم و صفات باری۔ دیرار اکتی۔ جبر و قدر کے ایسے نازک مباحث چھیڑنا پڑیں گے۔ مگر لوگوں کو ٹلجھا کے وضاحت سے بتا دیا جائے گا کہ اہل سنت کے کیا عقائد ہیں۔ لہذا یقین ہے کہ یہ نہایت مفید اور ضروری کتاب ہوگی۔

اس مرتبہ ہم سخت مصائب و آلام اور ناقابل برداشت صدمات و امکار میں مبتلا ہو گئے تھے جن کے باعث اس دوسرے نمبر کی اشاعت میں بہت دیر ہو گئی۔

خاکسار۔ محمد عبدالمعین شمس۔ ایڈیٹر و لکچرار

لکھنؤ۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء

ماخذ

اس کتاب میں جن کتب مضامین لیے گئے ہیں ان کے صفحات بھی بتادیے گئے ہیں اس لیے اس بات کے بتا دینے کی بھی ضرورت ہو کہ وہ کتابیں کیسی کس زمانے کی اور کسی تصنیف ہیں۔ اور کس مطبع کی چھپی ہوئی ہیں۔ لہذا ان کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔
 رسالہ قشیرہ مصنفہ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہواز قشیری المتوفی ۳۸۶ھ مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴ھ
 طبقات الکبریٰ مصنفہ علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی اشعرانی الانصاری۔ سال تصنیف ۹۵۲ھ مطبوعہ میرٹھ بولاق مصر ۱۲۸۵ھ۔

مرآۃ الجنان مصنفہ امام عصفیہ الدین ابی محمد عبداللہ بن سعد یافعی المتوفی ۵۸۱ھ قریب زما ۱۲۸۵ھ قلمی نسخہ کتب خانہ مولانا محمد عبدالباری صاحب فرنگی علی۔
 روض الریاحین فی حکایات الصالحین مولفہ علامہ یافعی ممدوح سیال تصنیف ۱۲۸۵ھ مطبوعہ مطبعہ کاسٹلہ مصر ۱۲۸۵ھ۔

دقیات الاعیان۔ تالیف قاضی ابن خلکان مرتبہ ۱۲۸۵ھ مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۸۵ھ۔
 طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مصنفہ امام تاج الدین ابی نصر عبدالوہاب بن تقی الدین ابی المتوفی ۱۲۸۵ھ مطبوعہ مطبعہ حیدرہ مصر

تلبیس المیس مصنفہ ابو الفرج عبدالرحمن بن ابی الحسن جوزی بغدادی فقیر حنبلی الملقب بہ جمال الدین واعظ المتوفی ۱۲۸۵ھ قلمی ہجو علیہ العیناب نواب سید علی حسن خان صاحب دار کے کتب خانے سے دستیاب ہوا۔ مگر چونکہ اس میں صفحات کا شمار ہی نہیں قائم کیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی صفحہ کا شمار بتانے سے معذور تھے۔

تاریخ الکامل مصنفہ امام جمال الدین ابو الحسن علی بن اثیر۔ معروف بہ ابن اثیر خرمی

المبتدیان المبتدیان المطبوعہ ذات التحریر مصر سنہ ۱۳۱۵ھ۔

کتاب العبر و دیوان المبتدیان و الخبر مشہور بہ تاریخ ابن خلدون۔ علامہ عبد الرحمن بن خلدون مغربی مصنفہ سنہ ۱۳۱۵ھ و مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۵ھ۔

عوارف المعارف۔ مصنفہ شیخ شہاب الدین عمرو بن محمد شہروردی المتوفی سنہ ۱۳۱۵ھ مگر بہین اصل کتاب بہین مل سکی لہذا محمود بن علی کاشانی کے ترجمہ فارسی مطبوعہ نو لکھنؤ سنہ ۱۳۱۵ھ سے فائدہ اٹھایا گیا۔

تذکرۃ الاولیاء۔ مصنفہ شیخ فیض الدین عطار۔ پہلے یہ کتاب میرے پاس نہ تھی لہذا ابتداً اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ لیا گیا۔ اور بعد جب اصل نسخہ مجبائی پریس ملی مطبوعہ سنہ ۱۳۱۵ھ دستیاب ہوا تو اس سے فائدہ اٹھایا گیا۔ بعض جگہ اردو ترجمہ کے صفحات بتائے گئے ہیں اور بعض جگہ اصل فارسی کے جن میں اتیانہ بغیر دیکھے نہیں کیا جاسکتا۔

تذکرہ امیر دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ غازی سمرقندی مصنفہ سنہ ۱۳۱۵ھ و مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) سنہ ۱۳۱۵ھ۔

نفحات الانس من حضرات القدس مصنفہ مولانا عبد الرحمن جامی مصنفہ سنہ ۱۳۱۵ھ و مطبوعہ نو لکھنؤ پریس سنہ ۱۳۱۵ھ۔

بوستان شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی۔ مطبوعہ نو لکھنؤ پریس سنہ ۱۳۱۵ھ۔

لٹریچر ہسٹری آف پرتیجا۔ از عبد الولین تاج محمد فردوسی۔ مصنفہ ایڈورڈ بروکن۔ ایم۔ اے۔ و ایم۔ بی۔ مطبوعہ لندن۔ (انگلستان)

فہرست مضامین

صفحہ	شمارہ	موضوع
۱	۱	تہنید۔
۳	۲	ولادت۔ خاندان۔ اور تعلیم۔
۱۰	۳	سین رُشد۔ ملازمت۔ اور دنیوی الحج عروج۔
۱۴	۴	درس گاہ و معرفت۔
۲۱	۵	پیر اور مرید۔
۲۹	۶	مزاج خصائل۔ اخلاق و عادات۔
۴۹	۷	محبت۔ اور ذوق و شوق۔
۵۴	۸	الہامات۔ صفائے باطن۔ اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ چیز سے عبرت و تاثیر۔
۶۶	۹	ذوق سخن۔ اور آپ کی شاعری۔
۷۸	۱۰	آپ کے سفر۔
۸۴	۱۱	سماع۔ اور صحبت حال و قال۔
۸۷	۱۲	تعلیم۔ اور طبع و تعلیم۔
۱۱۴	۱۳	آپ کی مخالفت۔
۱۱۸	۱۴	فیض یا بان صحبت۔
۱۳۲	۱۵	وفات۔
۱۴۱	۱۶	معرفین کمال۔
۱۵۰	۱۷	حکم۔
۱۵۳	۱۸	خاتم۔
۱۵۶	۱۹	خاتہ الطبع۔



این طائفہ اند اہل تحسین باقی ہمہ خویشین پرستند
 فاتی ز خود و بدوست باقی این طائفہ کہ نیستند و ہستند

تہیہ

ہجرت نبوی صلم کی تیسری صدی کے ربع اخیر میں ایک دن کا واقعہ جو کہ دارالسلام
 بغداد و ولہن بنا ہوا ہے۔ عباسی خلیفہ امیر المومنین المعتضد باللہ کے کسی جشن کی تیاریاں ہو رہی
 ہیں۔ عیش و عشرت کی جھلپیں ہیں۔ اور شان و شوکت کے کرشمہ نظر آ رہے ہیں۔ تمام ایلا
 ملک شاہی جشن میں شریک ہونے اور نذرین پیش کرنے کے لیے طلب کیے گئے ہیں جو
 حاضر و بار خلافت ہو کے آداب بجالائے ہیں۔ اور گران ہما خلعتوں سے سرفراز ہو
 عباسی سر یہ شہزادری کے سامنے موڈ ب کھڑے ہوئے ہیں۔
 اتنے میں اتفاقاً کسی پڑھیب والی ملک کو پھینک آ گئی۔ اور تاکست کچھ رطوبت

نکل پڑی۔ رومال اس وقت موجود نہ تھا۔ گھبرا کے اُسی خلعت کے دامن سے جو ابھی ابھی مرحمت ہوا تھا ناپک کر لی۔ شامت اعمال سے یہ بدتیزی کی حرکت خلیفہ نے دیکھ لی۔ فوراً عتاب ہوا جب فرمانِ خلافت وہ گران بہا خلعت چھین لیا گیا۔ گورنری کی خدمت سے بھی معزول ہوا۔ اور بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکالا گیا۔

خلیفہ کے اس عتاب اور برہمی کو دیکھ کے کل حاضرین دربار کانپ گئے۔ اور خائف تھے کہ کہیں ہم سے بھی کوئی بدتیزی کی حرکت نہ صادر ہو جائے۔ سارے دربار پر تائما طاری تھا۔ اور سب سہمے ہوئے اپنے اپنے انجام پر غور کر رہے تھے۔ مگر انھیں مین ایک صاحبِ دل پاک طینت اور خدا ترس رئیس زادہ بھی تھا جو ہنادند کی ولایت پر سر فرما رہا تھا۔ اس عتاب شہنشاہی نے اُس کے دل میں بجائے دُنیوی انجام کے ایک دوسری فکر پیدا کر دی۔ یعنی نور ہدایت نے اس خیال کی طرف مائل کیا کہ ایک دُنیوی بادشاہ کے خلعت کی بے وقعتی کرنے کی تو یہ سزا ہے۔ لیکن وہ شخص جو سارے عالم کے خالق (اللہ جل شانہ) کے خلعت (یعنی خلعتِ زندگی) کی بے وقعتی کرے اور اُسے ناپاک کر دے اُسکی کیا سزا ہوگی؟ یہ خیال آتا تھا کہ دل دنیاوی و دولت و شہمت اور اس چند روزہ جاہ و جلال کی طرف سے کھٹا ہو گیا۔ فوراً استیفا لکھ کے بارگاہِ خلافت میں پیش کر دیا۔ ہنادند کی حکومت کو آگ لگائی۔ ملازمت سے آزادی حاصل کی۔ اور کسی ایسے پاک باطن شیخِ زمانہ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا جس کے ہاتھ پر توبہ کرے۔ اور جس کی تعلیم و تلقین سے یقین و عرفان کی بارگاہِ نزدِ مین رسوخ حاصل کرے۔

یہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے نعرہ مستانہ کی صدا آج تک میدانِ معرفت میں گونج رہی ہے جن کا ذوق و شوق قیامت تک سرستانِ بادۂ وحدت کے دلوں میں حشمت کی گرمجوشی پیدا کرتا رہے گا جن کے نقش قدم کو منزلِ حقیقت کے وہ نور و دیکھتے ہوئے چلتے ہیں۔ اور جن کے مبارک حالات سے ہم ان چاندِ اوراق کو برکت دینا چاہتے ہیں۔

ولادت، خاندان اور تعلیم

آپ کا پورا نام اور لقب ابو بکر دلف بن محمد شبلی ہے بعض مورخین حضرت بن یونس نام بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہی نام آپ کے سنگِ تربت پر کندہ تھا۔ بعض اہلِ وایت کے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار کا نام بجائے ”محمد“ کے ”جعفر“ تھا۔ جو ہمارے خیال میں مقررہ اگلے رسم خط کے مستتبہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ آپ کا لقب شبلی ”شبلیہ“ نام ایک اُن سے نکلا جو جو آپ کے خاندان کا اصلی مشربہ تھا۔ یہ قریہ شہر اسروشنہ کے مضافات میں تھا۔ اور اسروشنہ ماوراء النہر میں سمرقند سے آگے بڑھ کے ایک بڑا شہر تھا۔ یہ ترکستانی علاقہ جو قرقانہ کے نام سے مشہور تھا۔ اُن دنوں والی خراسان کے حلقہ اقتدارات میں تھا۔ اور اسی وجہ سے عام مورخین آپ کو خراسانی الاصل بتاتے ہیں۔ ورنہ سچ پوچھیے تو آپ ترکی الاصل تھے۔ مگر طرہ یہ کہ سب کے خلاف ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا خاندان مصر سے آیا تھا۔

غیرہ خوش اقبال خاندان چاہے جہاں کا ہو۔ آپ کی ولادت سے پیشتر ہی از اسلام

بعد اذین آکے آباد ہو گیا تھا۔ اور قریب قریب تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ آپ نے بغداد میں نشوونما پایا۔ اور دین آپ کی ولادت بھی ہوئی۔ لیکن طبقات سلی میں ہے کہ آپ سامره میں پیدا ہوئے۔

گویہ روایت سب کے خائن اور بہ اصطلاح محدثین غریب ہے لیکن قیاس ہی چاہتا ہے کہ آپ سامره میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آپ کے پدر بزرگوار خلیفہ زمانہ کے دربار میں حاجب انجائب یعنی عرض نگار کی معزز خدمت پر مامور تھے۔ اور سنہ وفات اور عمر کا حساب لگانے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت شکستہ میں ہوئی جس سال کہ متوکل باللہ عباسی جو پندرہ سال سے مسند نشین خلافت تھا اپنے بیٹے المنصور کی سازش کے نتیجے میں خاص اپنے بڑے غلاموں کے ہاتھ سے کمال برجی کے ساتھ سامره میں مارا گیا۔ ان دنوں چونکہ دربار خلافت عباسی کا مرکز و مستقر بجائے بغداد کے سامره تھا لہذا ضرور ہے کہ آپ کے والد ماجد بھی اپنے فرائض منصبی بجالانے کے لیے سامره میں قیام رکھتے ہوں۔ متوکل باللہ کو بڑی خاطر سے سخت مداومت تھی۔ یہاں تک کہ سترہ مہینے اُس نے حکم جاری کر دیا کہ کربلا سے معلیٰ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت یا کدوئیں کے گرد و پیش کے مکانات کھود کے برابر کر دیے جائیں۔ اور ان کی زمین پر ہل چلا دیا جائے۔ اُس کے دربار میں علانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کی تضحیک و توہین کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اُس کی صحبت میں ایک دن ایک فحش کو پیٹ پر بکھیرا ہوا کہ حضرت علی کی نقل اور ناپاک مسخر کرتے دیکھ کے اُس کے بیٹے المنصور بھی نہ رہا گیا۔ ادب سے کہا "امیر المؤمنین علی آپ کے ابن عم اور آپ کے گھرانے کے بزرگ اور اچھے

سرمایہ ناز تھے۔ اگر آپ اُن کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں تو خیر مگر (اس کتے غصت کو) نہ کہلائیے۔ اس آزادی کا اُس صحبت میں تو کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مگر اسی کا اثر تھا کہ ایک طرف تو امدادِ کل کے دل میں بیٹے کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف بیٹا (لہنتس) اُس کے قتل کے لیے سازشیں کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی ولادت کے ساتھ ہی ایک ایسے ظالم بدتمیز اور بڑھیت بادشاہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کو ہم اس امر کا ایک قدرتی اشارہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کی ذاتِ بایرکات سے دین اسلام کو بڑے دینی اور روحانی فائدے پہنچے و گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی جب ہم اس امر کا لحاظ کرتے ہیں کہ مسئلہ مین ولی زمانہ حضرت ذوالنون اصری اور صوفی بے ہمتا شیخ ابوتراب غنشی کا انتقال ہو چکا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند جل و علانے آپ کی ولادت باسعادت سے دُنیا سے اسلام میں کتنی بڑی کمی کو پورا کر دیا۔

آپ کے خاندان کا پتہ لگانے کے لیے ہم نے کتب تاریخ کے بہت ورق اُٹے البتہ و شاخ کی پیڑ لکھنے والوں نے بے شک بتایا ہے کہ آپ کے والد ماجد خلافت کے معزز اور سربراہ و ردہ لوگوں میں تھے حتیٰ کہ حاجبِ التجاب دربار کی اعلیٰ ترین خدمت اُن کے سپرد تھی مگر تاریخ کی کتابوں سے بغیرِ راہِایت و قیاس سکام لینے کے ہمیں - کچھ ثبوت نہیں مل سکتا۔ تاہم آپ کا نام دولت ایسا انوکھا اور غیر مروج نام ہے کہ اس سے کسی نہ کسی پتہ ضرور لگ جاتا ہے جو بہت کچھ قرین قیاس ہے۔

آپ بن عبدین ابن نام کا صرف ایک ہی خاندان نظر آتا ہے۔ جس کا

ابتدائی ظہور مامون رشید کے عہد میں ہوا تھا۔ عیسیٰ بن مہان کے ساتھ جو لوگ طاہر کے مقابلے کو گئے تھے اُن میں ابو دلف نام ایک نامور شخص تھا جس کا قیام ہران کے قریب کرتخ نام ایک قریہ میں تھا۔ عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد ابو دلف مذکور پھر کرتخ میں جا کے خاموش بیٹھ رہا۔ طاہر نے خط بھیج کے اسے اپنے ساتھ ملانا چاہا تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے اب ارادہ کر لیا ہوں کہ کسی کی بھی طرف داری نہ کروں۔ یہ امر مامون کو ناگوار ہوا کہ سلطنت کی اعانت سے انکار کرنا کیا معنی۔ چنانچہ اپنے در و در سے کے زمانے میں اُسے بلوایا۔ اُسکی خطا معاف کی۔ اور وہ پھر کرتخ میں جا کے خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ابو دلف کے مرنے کے بعد اُس کے بیٹے عبدالعزیز کو توفیق حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ لہذا جب سرکش خلا مان ترک نے خلیفہ المستعین کے موجود ہوتے اہل بیت کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو عبدالعزیز بن ابو دلف نے اہل بیت کے ساتھ دیا۔ المستعین نے اس کے صلے میں اُسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور علاقہ جبل اور صفہان کی حکومت اُس کے ہاتھ میں بی۔ اہل بیت نے اسے کلمہ میں نہ پڑجوش باغیوں کی ۲۰ ہزار فوج پر موسیٰ بن یغامہ ترکی غلام کو مقرر مقرر کر کے عبدالعزیز کے مقابلے کو بھیجا۔ شہر ہران کے باہر لڑائی ہوئی۔ اور عبدالعزیز شکست کھا کے اپنے مستقر کرتخ میں چلا گیا۔ ابن بغا کے مقدمہ بجیش کا سردار مفلح کرتخ پہنچا اور عبدالعزیز کو اُس کے گھر کے دروازے پر بھی شکست دی۔ اب عبدالعزیز نے بھاگ کے ہناوند کے قلعے میں پناہ لی۔ اس کے چند روز بعد ابن بغا سے اور اُس سے ایک اور مقابلہ ہوا۔ اور اب بھی عبدالعزیز کی قسمت نے اسے ناسعدت کی۔ مگر باوجود ان شکستوں کے ہناوند وغیرہ اُسی کے قبضے میں رہے۔ عبدالعزیز کے مرنے پر

اُس کا بیٹا دُلف جانشین ہوا۔ اُسے قاسم بن صہبہ نے آکے شکست دی جس کے باعث دُلف کی زندگی ہی میں خاندان ابو دُلف کے خیر اندیشوں نے اُس کے بھائی احمد بن عبدالعزیز بن ابو دُلف کو اپنا سرگروہ بنا کے سترہ مہینے بھائی کا جانشین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اس خاندان کا ستارہ ذرا چمک گیا۔

ان دنوں عمرو بن لیث صفار نے خراسان وغیرہ میں ایسا زور پکڑ لیا تھا کہ خلافت کے مقبوضات پر بھی اپنا قبضہ قائم کر رہا تھا۔ اُس نے احمد بن عبدالعزیز بن ابو دُلف کو اپنی طرف سے والی صفہان مقرر کیا۔ بغداد کے سریر خلافت پر اب اٹھتا تھا۔ اُس نے بجائے اس کے کہ احمد بن عبدالعزیز سے کوئی باز پرس کرتا اپنی طرف سے بھی سترہ مہینے اُسے حاکم صفہان بنا دیا۔ اور یوں احمد ایک ایسا عجیب و غریب گورنر بن گیا جو ایک ہی ملک پر دو مخالفت فرمان رواؤں کا نائب تھا۔ سترہ مہینے کئی ترکوں اُس کے مقابلے کو آیا۔ اور شکست کھا کے واپس گیا۔ اور شاید اسی مہم کی ضرورت سے سترہ مہینے عمرو بن لیث نے اُسے روپیہ بھیجا تھا۔ سترہ مہینے میں احمد بن عبدالعزیز نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس کے دو بھائی عماد اور حمیر شترک والی مقرر کیے گئے جنہوں نے آخر میں خلافت بغداد کی حمایت کی۔ یعنی اہتضاد کی جانب داری میں عمرو بن لیث کے بھائی رافع بن لیث سے لڑے۔ مگر شکست کھائی۔ اس کے بعد سترہ مہینے اہتضاد باللہ نے عمرو بن عبدالعزیز کو والی صفہان و نہاندہ و کرخ مقرر کیا۔ پھر چند اور جھگڑے ہوئے۔ لیکن اب عمر بن عبدالعزیز بن ابو دُلف کی وقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ سترہ مہینے میں جب وہ بغداد میں آیا

تو خلافت کی جانب سے بڑی دھوم دھام اور ترک و احتشام سے اُس کا استقبال کیا گیا۔ اور خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوا۔

ان واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی جن کا نام ناجی دُلف تھا اسی خاندان کے کوئی رکن ہیں۔ دُلف اور حیدر ترکی نام ہیں۔ اور قرینہ تھا ہے کہ ان دنوں ان نو مسلم خاندانوں میں دو نام رکھے جاتے ہوں۔ ایک اصلی خاندانی اور قومی۔ اور دوسرا عربی جسے اسلامی نام کہنا چاہیے۔ اسی تقدیر سے لوگوں کو دھوکا دیا۔ اور اختلاف روایت پیدا ہوا۔ لہذا آپ کا نام غالباً دُلف بھی ہے۔ اور حیدر بھی۔ اور آپ کے والد کا نام حیدر بھی اور یونس بھی۔ اصلی بانی خاندان کا نام ہمیں معلوم صرف کنیت ابو دُلف بتائی گئی ہے جس سے ظاہر ہو کہ دُلف نام اس کا کوئی بیٹا ضرور تھا اور کیا عجیب کہ ابو دُلف ہی کا نام حیدر ہو۔ لہذا بظن غالب حضرت ابو بکر شبلی عبدالعزیز بن ابو دُلف کے بھائی تھے۔ اور اپنے عزیز والی کی طرف سے حسب فرمان خلافت یا نیا بیٹہ بنا دینے کی گورنری کرتے تھے۔

علاوہ بریں جب یہ امر کتب سیر میں موجود ہے کہ آپ ہنادن کے گورنر تھے اور والد صاحب خلافت تھے تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ استعین کے زمانے میں پہلے عرض بیگی یعنی حاجب اعظم کی خدمت پر وصیف نام ایک غلام مقرر تھا۔ اور اُسی کو جبل اصفہان کی گورنری بھی دی گئی تھی۔ پھر حسب عہدہ امیر بن ابو دُلف نے رفاقت پر آمادگی ظاہر کی تو وہ اُسی وصیف کا قائم مقام مقرر کیا گیا۔ اور اس طرح یہ دونوں خدمتیں نبی دُلف میں آگئیں۔

جو کچھ معلوم ہو سکا صرف اس قدر ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان فقہ مالکیہ کا پیرو
تھا۔ اور اسی گروہ میں آپ بھی تھے لہذا ابتدائی تعلیم کے بعد فقہ مالکیہ پڑھنا شروع کی اور
اس میں کمالیہ تبحر حاصل کیا۔ حدیث میں لکھیں۔ اور محدثین کے گروہ میں بھی شامل ہوئے
موطائے امام مالک بر زبان تھیں۔ جو حدیث کی افضل ترین کتاب تصور کی جاتی تھی۔
لیکن حق چو طبیعت چونکہ رموز باطن کے انکشاف کی شتاق تھی لہذا ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ گویا اس پڑھنے لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوا اور جس چیز کی تلاش ہے وہ نہیں ملتی
خود فرماتے ہیں: میں نے تیس برس تک فقہ پڑھی یہاں تک کہ ایک آفتاب میرے
سینے سے طلوع ہوا۔ پھر میں استادوں کے پاس گیا اور ان سے علم اتنی کا خواہنگار
ہوا۔ مگر کسی نے کچھ نہ بتایا۔ کیونکہ وہ خود نہ جانتے تھے۔ یہی کہا کہ ہر چیز کا ایک نشان ہے

عليه رسالة تشير إلى ٣٣٠٠ امرأة الجمان يا فني - حالات ١٠٠٠٠ طبقات الكبرى المشغولي^{١٣}

مگر غیب کا کچھ نشان نہیں۔ یہ جوابات سُن کے مجھے تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا کہ آپ سب صاحب اندھیرے میں ہیں۔ اور میں اپنے آپ کو صبح روشن میں پاتا ہوں۔ مگر افسوس کہ اپنی اس حالت پر شکر گزار نہ ہوا۔ اور اپنی ولایت چورون کے سپرد کر دی۔ میری زبان سے یہ کلمات سُن کے لوگ بگڑے اور عداوت پر آمادہ ہو گئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں خود بخود توحید و خدا شناسی کا جوش پیدا ہوا۔ اور تعلیم فقہ و حدیث کے زمانے ہی سے انکشاف باطن کی جستجو شروع ہو گئی تھی۔ گو اُس کے ظہور کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

سین رشد۔ ملازمت اور قریبی رُج و عروج

لیکن جس خاندان کے رُکن تھے اُس کا ہر تنفس ملازمت پہنکری۔ اور حکومت کے کاروبار میں مشغول تھا۔ چنانچہ اس علم و فضل اور اس جستجوئے حق پر خاندانی تعلقات غالب آ گئے۔ جو کسی درس گاہ یا خانقاہ میں بیٹھنے کے عوض انھیں ایوان امارت میں بٹھانا چاہتے تھے۔ آپ تحصیل علم سے خارج ہوتے ہی شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور اپنے خاندانی کارناموں کے صلے میں ہماوند کے والی بنے۔ اور زمر مقرر ہوئے۔

ہمارے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے کہ آپ نے زمانہ حکومت میں کیا کارروائیاں کیں۔ خلافت کی کیسی خدمتیں بجالائیں۔ اور رعایا کے

عہد نفحات الانس ص ۱۷۷ عہد تذکرۃ الاولیاء ص ۶۸۹ ابن خلکان رسالۃ فیہ فیہ من دنیا وندہ جو تاریخی شہادتوں سے بناؤندہ ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسی قدر نہیں۔ ہم اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ہمارا زندگی عنانِ حکومت کتنے دنوں تک ہاتھ میں رہنے پائی تھی کہ کسی ضرورت و تقریب سے دار الخلافہ میں بلائے گئے۔ اور وہ عبرت خیز واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تہذیب میں آچکا ہے اور جس نے صرف ایک لفظ پر آپ کو ایک والی ملک اور رئیس قوم سے ایک صاحب باطن فقیر اور پاک نفس صوفی صافی بنا دیا۔

علوم باطنی کی طرف توجہ کرنے سے پیشتر کے حالات بیان کرنے سے مورخین اس قدر خاموش ہیں کہ سوا ہمارا زندگی امارت کے اور کچھ حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ اکثر بزرگانِ دین کے حالات میں مورخین کے قلم نے اسی قسم کا بخل ظاہر کیا ہو گا۔ تاہم نہیں جتنا کہ حضرت ابو بکر شبلی کے معاملے میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی اور گمنامی میں ہے۔

ان امور کا پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ اسلام کے سچے مذاق کے مطابق آپ متاثر تھے۔ بی بی تھیں جن کے متنبہ کرنے کے لیے بعض اوقات آپ عجیب و غریب کام کر گزرا کرتے تھے۔ خدا نے اولاد بھی دی تھی۔ جن میں سے بعض کو اُس نے والدین کو ثوابِ آخرت عطا کرنے کے لیے دینا سے اٹھایا اور بعض زندہ رہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کا ایک بیٹا جس کا نام ابو الحسن تھا اُس نے ماں باپ کے دل کو داغ دے کے سفرِ آخرت کیا۔ اور آغوشِ مادر سے نکال کے آغوشِ جد کے سپرد کیا گیا۔ دل شکستہ ماں کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ روئیں پھینیں اور سر کے بال توج ڈالے۔ یہ حالت دیکھ کے حضرت شبلی حاتم میں گئے۔ اور ڈاڑھی میں نورہ لگا لیا۔ چند جوان کے بعد جب حمام سے باہر نکلے تو ڈاڑھی غائب تھی۔ ڈاڑھی منڈوانا ان دنوں

اس قدر خلافت فیشن تھا کہ کسی کی ڈاڑھی منڈی دیکھ کے لوگوں کا خیال جو اروعہم
 جواڑ کی طرف متوجہ ہونے کے عوض اس شخص کے ہوش و حواس بجا نہ ہونے یا کسی
 خاص مجبوری کی طرف رجوع ہوتا۔ اب جو لوگ تعزیت کو آتے تو آپ کی یہ خلق دیکھ کے
 متحیر ہو جاتے۔ اور پوچھتے تھیں تیریت تو ہے؟ جس کا جواب آپ یہ دیتے کہ میں نے
 اس بارے میں بی بی کی پیروی کی ہے۔ انھوں نے بیٹے کے غم میں اپنے بالوں پر
 ہاتھ صاف کیا اور میں نے اپنی ڈاڑھی پر لیکن اس باندق جواب سے کسی کا طہینان
 نہ ہوتا تھا اور بار بار ڈاڑھی اڑا دینے کا اصلی سبب پوچھا جاتا تب آپ نے فرمایا: سنو
 میں نے یہ خیال کیا کہ لوگ یا خدا چھوڑے میرے پاس تعزیت کے لیے آئیں گے۔
 لہذا میرے سبب سے جو لوگوں کے دل میں خدا کی طرف سے بے توجہی ہوگی اس کے
 فدیہ میں میں نے اپنی ڈاڑھی تذر کر دی۔

اس واقعہ کو فقہاء اور اہل ظاہر غالباً اچھی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ مگر ہم مفسرین
 مشورہ دیتے ہیں کہ ذرا درایت سے بھی کام لیں۔ ڈاڑھی منڈانا ان دنوں نہ امر کے
 فیشن میں تھا۔ اور نہ کسی طبقہ کے۔ لہذا اس بلانے میں اس فعل سے کوئی دنیوی رسوخ
 یا طرح داری نہیں ظاہر ہو سکتی تھی۔ بلکہ بے ڈاڑھی کا انسان ہر سوائشی میں ذلیل خوا
 تصور کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر شبلی جذبات و حدت میں غرق ہونے سے اس قدر از خود فقیر
 ہو گئے تھے کہ کسی خاص دھن میں عموماً کے بعض اوقات ایسے افعال کر گزرتے
 تھے جن پر لوگوں کو حیرت ہو جاتی۔ اور اگر آپ میں ہوتے تو وہ خود بھی حیران ہو جاتے۔
 اسی طرح آپ کے ایک دوسرے صاحبزادے یونس بھی تھے جن سے آپ کے

حالات کے متعلق صرف ایک یہ روایت ہم تک پہنچی ہے۔ کہ ایک مرتبہ اُن کے والد ماجد ساری رات چھت کے ایک گوشے پر کھڑے رہے۔ اور کہتے تھے کہ اے آنکھ اگر تو نے پاک چھپکائی تو تجھ سے کام نہ لیا جاسکے۔ اسی طرح رات بھر پاک چھپکائی صبح ہوئی تو مجھ سے کہا ”بیٹا۔ میں نے آج رات سوا ایک مٹخ کے کسی کو خدا کا ذکر کرتے نہیں سنا“

ان مستند شہاد توں سے یہ تو بے شک ثابت ہو گیا کہ آپ کی بی بی بھی تھیں۔ اور خدا نے اولاد بھی عطا کی تھی مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ یہ عقد آپ نے جام معرفت پینے کے بعد کیا تھا یا پہلے۔ تاہم قیاس سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ باتیں مدرسہ حقیقت میں آنے سے پیشتر ہی کی ہوں گی۔ کیونکہ اول تو آپ کا مذاق تصوف اس قدر گہرا اور بخوبی بنا دینے والا تھا کہ اگر تجربہ کو آپ ضروری نہیں تو اپنے لیے جائز اور اپنے مذاق کو حید کے مناسب ضروری خیال کرتے ہوں گے۔ علاوہ بریں یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ نے تیس سال تک فقہ وحدیث کی تعلیم پائی۔ اور اگر تعلیم کا آغاز آٹھ برس کی عمر میں ہوا اور چار ہی پانچ برس آپ ہنادند کے والی رہے ہوں تو تو یہ کر کے علوم باطن کی طرف توجہ کرنے کے وقت آپ کی عمر شریف ۲۲ یا ۲۳ برس ہو گئی۔ اور اس عمر تک اُن دنوں ایک دنیا دار امیر زادے کا مجبور ہنا اور شادی نہ کرنا خلاف قیاس ہے۔ بس اس کے سوا آپ کی دنیا داری کی ابتدائی زندگی کے متعلق ہم کوئی بات جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ لہذا اب خانقاہ عرفان میں چل کے ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

عہ تلیس ایلیس۔ بیان جہانگرد علی الصوفیہ من الافعال المنکرۃ۔

درگاہ معرفت

دربار خلافت میں استفادہ اعلیٰ کرتے ہی آپ کو رموز باطن حل کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ اور وہ جو پیش یک بیک بڑے زور و شور سے ابھرا جو تعلیم فقہ و حدیث کے وقت دل کو کسی طرح مطمئن نہیں ہونے دیتا تھا۔ اور کسی بات سے جو ایسے حق قلب بیقرار کو تسلی نہ ہوتی تھی۔ اب کسی ایسے پاک باطن رمزدان وحدت کی تلاش ہوئی جس کی خدمت میں حاضر ہو کے مراحل یقین طے کریں۔

ان دنوں دربار خلافت کا مرکز شہر سرمن رائی تھا جسے اب سامرہ کہتے ہیں لیوان خلافت سے محل کے شہر کی سڑکوں پر آئے اور کسی دلی کامل کا تپہ پوچھا لوگوں نے خیر سناج کا نام لیا جو اسی شہر سرمن رائی میں پیدا ہوئے تھے اور فی الحال خاص دارالاسلام بغداد میں اقامت گزین تھے۔ غالباً ہم وطنی کے خیال نے خیر سناج سے ملنے کا شوق دل میں اور بڑھا دیا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ سامرہ چھوڑ کے بغداد کی راہ لی۔ اور میرے ابو احسن خیر سناج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خیر سناج اگرچہ بڑے صاحب معرفت بزرگان دین میں سے تھے۔ لیکن شبلی کا ذوق و شوق دیکھا۔ ان کی جوانانہ استعدادی و گرجوشی دیکھی۔ اور پھر ان کے علم و فضل کا اندازہ کیا تو انھیں اپنی پس رکھنا مناسب نہ سمجھے۔ اور خیال کیا کہ ان کے لیے جنید بغدادی سے بہتر کوئی شیخ طریقت نہیں ہو سکتا۔ لہذا پہلے تو اپنی صحبت میں ان سے تمام گناہوں اور مصیبتوں سے توبہ کرائی۔ اور پھر انھیں حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جو ان

دونوں علوم باطن کے مرکز اور رہ تو رد ان طریق معرفت کے مرجع و مادی بنے ہوئے تھے۔ اور جن کی صحبت میں اہل ذوق کا ایک بڑا مجمع رہا کرتا تھا۔

شبلی جب خیر سناج کے پیام کے ساتھ حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سامنا ہوتے ہی عرض کیا: "لوگوں نے آپ کے پاس گوہر مراد کا پتہ دیا ہے۔ یونہی عطا ہو گا یا قیمت سے؟" جنید نے ان کی صورت دیکھ کے فرمایا: "بیچو تو تم لے نہ سکو گے" کیونکہ وہ بہت گران ہے اور پتھر سے پاس اتنا سرمایہ نہیں۔ اگر مفت دے دوں تو تمہیں اس کی قدر نہ ہوگی۔ ہاں اگر جو المزدون کی طرح اس دریا میں سر کے بھل غوطہ لگاؤ گے۔ اور صبر و انتظار سے جھج کر رہ گے۔ تو وہ گوہر مراد ہاتھ آجائے گا۔"

آپ کی سیرۃ لکھنے والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی اور خیر سناج کے علاوہ اس عہد کے دیگر ائمہ باطن اور اولیائے زمانہ کی صحبتوں سے بھی آپ نے فیض اٹھایا۔ مگر ہمیں سولے مذکورہ بالا دو بزرگوں کے اور کسی کا نام نہیں بتایا گیا ہے۔ اور نہ آپ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہو کہ آپ کبھی کسی اور شیخ باطن کی خدمت میں بھی شرفیاب ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ یوں تو آپ دنیا کی حالت سے۔ دُکانداروں۔ راگیروں کی صداؤں۔ اور چڑیوں کی آوازوں تک سے سبق لیتے عجرت حاصل کرتے۔ اور بیتاب و بیخود ہو جاتے جیسا کہ آگے چل کے ہم بیان کریں گے۔ مگر ارادت اور شاگردی کی حیثیت سے آپ کو جو کچھ فیض پہنچا صرف شیخ الطائفہ ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے۔ خیر سناج سے بھی جو کچھ حاصل ہوا گو وہ بہت بڑی چیز ہے اور اسی کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ایوان معرفت کا دروازہ

کھول کے اندر آپ کو انھین نے بلایا مگر وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ آپ نے
 اُن کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور انھین کی تلقین سے مشاغل دنیا کو ترک کیا۔
 حضرت جنید نے ابتدا ہی سے بڑی سخت سخت لینا شروع کی خصوص سب سے
 زیادہ یہ کہ کما تم نے ہمارا زندگی رعایا پر حکومت کی ہے۔ بہتوں کے نظریے تمہارے سر باقی
 ہوں گے۔ جب تک وہ دیکھتے دامن سے نہ چھوٹیں مگر بار معرفت میں باریا نہیں
 ہو سکتے۔ لہذا جاؤ۔ اور وہاں کی رعایا سے سند معافی حاصل کر لو۔ سوچ یہ ہے کہ یہ
 سب ریاضتوں سے بڑی ریاضت تھی۔ مگر آپ کو جستجو سے حقیقت کی ایسی دھن
 لگی ہوئی تھی کہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہمارا زندگی جا کے انھین لوگوں سے
 جو ابھی کل تک آپ کے تابع فرمان تھے معافی چاہی۔ اور سب سے بھروسہ کیا
 میں تمہارا والی تھا۔ مجھ سے تم پر کوئی زیادتی ہوئی ہو۔ یا تم پر کبھی میرے ہاتھ سے
 جوڑ ہوا ہو۔ تو اسے معاف کر دو۔ اس بارہ خاص میں خلوص نیت کی برکت سے
 آپ میں ایسی سرگرمی پیدا ہو گئی تھی کہ سارے شہر میں ایک ایک کے دروازے
 پر جا کے مرد عورت بولنے سے بچے سے عفو کی درخواست کرتے۔ اور کوئی نہیں رہا جسے
 اپنا کما سنا معاف کر کے سند معافی نہ حاصل کر لی ہو۔ سو ایک شخص کے جو موجود نہ تھا۔
 اور اُس کا ایک درہم ان کے ذمہ باقی تھا۔ اسے بہت تلاش کیا۔ بہت سارے روپے
 اس کے کفارے کے طریقے سے خیرات کیا مگر دل کو کسی طرح اطمینان نہ ہوتا تھا۔ اور
 مرتے دم تک اُس کا ڈر لگا رہا۔ چنانچہ جعفر بن نصیر بکران دینور حنیین آپ کی
 خدمت گزاری کرنے کا شرف حاصل ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ شبلی نے وفات کے

وقت :۔ یہ کہا "میرے ۱۱ پر ایک سو چھ کا خلیفہ باقی ہے۔ اس سے پہلے دس ہزار تین
درہم خیرات کر چکا ہوں مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔

آپ حضرت جنیدؒ نے ریاضت شروع کر لی تے پہلے نفسی سے سبق دیتا
تشریع کیے۔ چنانچہ ہمارے ایک سال تک کبریت چو جب یہ سال ختم ہوا تو ارشاد ہوا کہ
ایک سال اور پورہ گری کرنا اور درود بیک مانگو۔ لیکن یہ شرط ہے کہ چوبیسین ملین
ان میں سے کسی میں مشغول نہ ہو جانا۔ یہ برس آپ کو اس حالت میں گذرے کہ ساری
ہزارین ایک ایک بیٹے کے دروازے پر جا کے سوال کرتے۔ اور کوئی کچھ نہ دیتا۔
کیونکہ یقیناً لوگوں کو بڑی شہلوں سے یقین آیا ہو گا کہ یہ محتاج ہیں۔ اور افلاس
کی مجبوری سے سوال کرتے ہیں فقیر میں اس ناکامی کی خبر حضرت جنیدؒ کو پہنچی
تو فرمایا "آپ تمہیں اپنی قدر قیمت معلوم ہو گئی ہوگی۔"

پہلے چار سال ان مختلف حالتوں کو گزر گئے تو شیخ جنیدؒ نے آپ کے قلب کا
امتحان لیا اور فرمایا ابھی تم میں تھوڑی جاہ طلبی باقی ہے۔ ایک سال اور گدائی
کرو۔ اس سال آپ کو لوگوں کی فیاضی سے بھینک ملتی تھی۔ مگر چھ ہاتھ آنا روز بلا
۱۱ لاکھ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ وہ اسے اپنے حلقے کے درویشوں
میں تقسیم کر دیتے۔ اور انھیں اکثر بھوکا ہی رکھا کرتے۔ جب یہ سب مراحل پچھلے
تو شیخ جنیدؒ نے فرمایا "آپ میں تمہیں اپنی صحبت میں رکھوں گا۔ لیکن اتنی شرط باقی
ہے کہ ایک سال تک درویشوں کی خدمت کرو۔ یہ بھی کیا۔ اور ان ابتدائی ریاضتوں
سے فارغ ہو کے حضرت شیخ کی خدمت مبارکت میں حاضر ہوئے تو جنیدؒ نے پوچھا "بتاؤ

اسب تمہارے نزدیک تمہارے نفس کا کیا رتبہ ہے؟ عرض کیا : اپنے آپ کو ساری خلقت سے ادنیٰ رہے پر پاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ : ”اب تمہارا ایمان درست ہوا“ دیگر اہل سیر نے اگرچہ ان ابتدائی امتحانوں اور بے نفسی کی تعلیموں کی تفصیل نہیں بیان کی ہے۔ مگر اس امر میں کل اہل سیر کو اتفاق ہے کہ ابتدائے عمر میں آپ کے مجاہدات حد سے گزرے ہوئے تھے۔ کمال باطنی کی یہ ایجاد ختم کرنے کے بعد عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے تو معمول تھا کہ ہر روز ایک سرور آپ (تہ خالص) میں اتر جاتے۔ اور اپنے ساتھ جیلانے کی کچھ لکڑیاں بھی لیتے جاتے۔ وہاں خلوت میں بیٹھ کے مصروف عبادت ہوتے۔ کسی وقت دل ذرا بھی غفلت کرتا تو ان میں سے ایک لکڑی اٹھا کر آپ ہی اپنے جسم پر مارنا شروع کرتے۔ اور یہاں تک مارتے کہ جب تک وہ لکڑی ٹوٹ نہ جاتی ہاتھ نہ رکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سب لکڑیاں دن ختم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتیں اور ایسی حالت میں جسم کو ذیت پہنچانے کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں زور زور سے دیوار پر مارتے۔ غرض ایسی ایسی سخت مصیبتیں بھیمل کے دل کو قابو میں لاتے۔ اور اسے عادی بناتے کہ حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہو تو پھر کسی اور طرف کا رخ نہ کرے۔

آغاز حال میں زار و قطار رویا کرتے۔ اور آہیں بھرتے تھے حضرت حمید نے یہ دیکھ کے فرمایا "حق تعالیٰ کی درگاہ سے شبلی کو ایک ودیعت دی گئی تھی۔ اسے چاہا کہ اُس امانت میں خیانت کرے لہذا اسی جرم کی سزا کیلئے آہ و زاری کی تکلیف میں مبتلا

عبد بركة الاوليا - ٢٠٩ - ع رسالة قشيرة ٣٣ - امرأة الجنان حالات مستترة هذا ابن خدكان حلي

اول ۲۵-۵۵ رسالہ فقیر - ۱۳۲-

کیا گیا ہے۔ راتوں کو بالائزام جاگتے۔ اور صبح تک سونے کا نام نہ لیتے لیکن اوقاتا
نفس نہ مانتا طبیعت سستی کرتی۔ اور آنکھوں میں نیند بھر آتی۔ اس کے لیے طبع طبع
کی تدبیریں کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "فلان فلان راتوں کو میں نے نمک کا ٹکڑا
لگایا۔ تاکہ جاگنے کی عادت پڑے۔ اور نیند نہ آئے۔ اور جب اس سے بھی کام
نہ چلا تو میں نے سلائی گرم کر کے آنکھوں میں پھیر دی۔ یہ دیکھ کے لوگوں نے کہا "معلوم
ہوتا ہے آپ کو آنکھوں کی ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا "مضائقہ نہیں جس کے دیا
کا امتیاز ہے وہی ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے تو پھر یہ کس کام کی ہیں؟"

استاد ابوعلی دقاق کا بیان ہے کہ انھوں نے ایسے ایسے نمکوں کا سرمہ لگایا۔
جن کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اور بیداری کی عادت پڑتی۔ اور اگر شرع شریف کی
تعظیم کا خیال نہ ہوتا تو اور زیادہ ریاضت کرتے۔ حد سے زیادہ جاگنے اور نیند سے
دست بردار ہو جانے پر لوگوں نے آپ کو الزام دیا تو فرمایا "میں نے سنا کہ خدا
مجھ سے کہہ رہا ہے جو سو یا غافل ہوا اور جو غافل ہوا اس کی آنکھ پر پردہ پڑ گیا پھر
بھلا میں کیونکر سو سکتا ہوں؟ اسی لیے نمک کا سرمہ لگاتا ہوں تاکہ آنکھ نہ لگے؟"

عشق الہی کے کتب میں داخل ہوتے ہی یہ رنگ ہو گیا کہ اللہ جل شانہ کے
نام پر شیدا تھے جس کسی کے منہ سے یہ نام پاک نکل جاتا اس کا منہ شکر سے
بھر جیتے۔ اور لڑکوں کو شکر بانٹا کرتے کہ اللہ کا نام لو۔ یہ ذوق پڑھتے پڑھتے جس
درجے کو پہنچا کہ اب جس کی زبان پر یہ نام پاک آتا اس کا منہ دینا دون (شہ فریون)

ۛ تذکرۃ الاولیاء ۶۹۲۔ ۛ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔ ۛ تذکرۃ الاولیاء ۶۹۹۔ ۛ اللعۃ وحالہ

تشریح ۳۲۔ ۛ طبقات الکبریٰ ۱۲۳۔

سے بھرتے۔ اس کے بعد عشق اُسی کے جوش میں کچا ایسا انقلاب ہوا۔ اور ایسا خیال
 رقابت پیدا ہوا کہ تو اس لیے پھرتے۔ اور کہتے کہ جو کوئی اللہ کا نام زبان پر لائے گا
 اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ بعض لوگوں نے جرات کر کے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا
 کہ ”لوگ عادت پڑ جانے کے سبب سے غفلت و بے توجہی کے ساتھ اللہ کا نام پاک
 زبان پر لاتے ہیں۔ ان میں خلوص و ارادہ نہیں۔“ یہ بھی آپ کے معمولات میں تھا
 کہ جہان کبیر اللہ جل شانہ کا نام لکھایا منقوش نظر آتا اُسے بوسہ دیتے۔ یہ حالات
 تھے۔ اور اس رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ یکایک سینے سے نکل کے کان میں
 فرشتہ ہدایت کی آواز آئی ”کب تک رسم پرستی کرے گا وہ طالب ہے تو بجائے اسم
 کے سہمی کی۔ اور طلب میں قدم رکھ۔“ اب ہجوم شوق بڑھا۔ جوش عشق نے جنون و
 جذب کی شان اختیار کی۔ اور ایسے بیتاب و بیقرار ہوئے کہ ایک بار دجلہ میں
 پھاند پڑے۔ مگر خدا کی قدرت لہروں نے کنارے پر پھینک دیا۔ آگ میں کوٹ
 لیکن اُس سے بھی بچ گئے۔ دیگر مُلک تدریس میں عمل میں لائے۔ اور اُن سے
 بھی بچے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن جوش و خروش میں کمی ہوئے کو نہ آتی تھی۔ بکا رتے
 پھرتے تھے۔ وکیل من لا یقتلہ الماء و النار و السباع و الجبال۔ (شامت ہو اُسکی
 جسے نہ پانی ڈبو تا ہے نہ آگ جلاتی ہے۔ نہ درندے پھاڑتے ہیں۔ اور نہ ہاڑ ہلاک
 کرتے ہیں) مگر اس بیتابانہ سوال کا جواب اُسی فرشتہ ہدایت نے سینے کے اندر سے
 یہ دیا کہ ”من کان مقتول الحق لا یتلہ فیضہ“ (جو خدا کا مقتول ہو اُسے کوئی دوسرا قتل نہیں
 کر سکتا) آخر بیتابی بیان تک برہمی کہ لوگوں نے تجیر و ان میں یا نہ ہو کے بیٹھایا اور
 اشیاء و اشیاء کہ شبلی دیوانے ہو گئے۔ چنانچہ لوگ شفا خانے میں اُٹھا۔ اُگئے۔ مگر یہ سب

یہی فرماتے تھے کہ تمہارے نزدیک میں دیوانہ ہوں۔ اور میرے نزدیک تم دیوانہ ہو۔ میری یہ دیوانگی انشاء اللہ روز بروز زیادہ ہی ہوگی۔
از سر بالین من خزینہ ناولن طلیبہ درو مند عشق دادار و مجرب ذہنیت

پیر اور مرید

حضرت جنید بغدادی کی بارگاہ فیض سے طالب حقیقت مرید شیخ ابو بکر شبلی کو جو تعلیم سچل ہوئیں جس عنوان سے انھوں نے آپ سے متاہراہ طریقت کی دشوار منزلیں طے کرائیں۔ اور پیر اور مرید میں باہم جو واقعات پیش آئے وہ بھی اگرچہ دراصل گذشتہ بحث یعنی درس گاہ معرفت ہی کا ایک جزو ہیں مگر ہم ان میں ایک خاص نطفہ دیکھ کے اُنھیں علیحدہ بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ بے شک غرضت کی تعلیم کا اہم حصہ اوپر بیان ہو چکا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ گذشتہ بحث کی تعلیم میں صرف پڑھنے اور درس دینے کی شان تھی اور ان باتوں میں جن کا ذکر آپ آئے گا۔ اناتلیقی اور روحانی تربیت کی شان پائی جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی میں باوجود اعلیٰ درجے کے مدارج عرفان طے کر لینے کے متانت تھی۔ ضبط تھا۔ اور اُن کی فقیری میں بھی عالمانہ وقار نمایان تھا۔ یہ خلاف اس کے شبلی میں جوش و خروش تھا۔ بے صبری و بیقراری تھی۔ اور ایسی محویت بڑے اختیار کی تھی کہ اپنی بے روک طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے۔ اور اس اختلاف مذاق و طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ کبھی تو حضرت جنید آپ سے باہر ہونے والے

مرید کو اپنی قوت کمال سے روک دیتے اور کبھی اُس کے اثر سے یہاں تک متاثر ہوتے کہ خود بھی بیتاب ہو جاتے۔

حضرت جنید کی صحبت میں ابو بکر شبلی کا پہلا رنگ تو یہ تھا کہ ایک بار اُن کی زبان سے کلمہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" نکل گیا۔ جنید نے فوراً ٹوکا اور ارشاد فرمایا: "یہ کلمہ کسی بات سے تنگ آجانے کے خیال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور تنگ آجانا رضی برضا ہونے سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔" عرض کیا بجا ارشاد ہوا۔ غالباً ظاہر بینوں کو اس پر اعتراض ہو گا۔ لیکن خود واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت جنید نے لا حول پڑھنے سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی پر نہ راضی ہونے سے روکا۔ اور یہ تعلیم اسلام کی اعلیٰ تعلیموں کی جان ہے۔

ایک مرتبہ ایک خراسانی جوان حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کا عصا اور اُس کی چھال لے کے اپنے پاس گھر میں رکھ لی۔ دو ٹھہرایا۔ اتفاقاً اُسی رات کو آپ کے مریدوں کی ایک صحبت ہونے والی تھی۔ اندھا آپ نے بعض اصحاب کو بلا کے فرمایا۔ "اس نوجوان کو لے جا کے اپنے ساتھ رکھو۔" رات کو اپنی صحبت میں شریک کر دو اور صبح کو میرے پاس لے آنا۔" اس محفل میں کھانے کے بعد مریدان جنید میں کچھ مزاح ہونے لگا۔ اور اُس خراسانی جوان سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی گئی۔ اُس نے انکار کیا۔ بلکہ ان سب لوگوں کو الزام دینے لگا کہ آپ کا یہ کام نہیں شبلی تمام مریدان جنید میں پُرجوش تھے اُس پر نگاہ غیظ و غضب ڈالی۔ اور کہا پچھلے بیٹھے رہو۔ ورنہ اُٹھ کے سر اُڑا دوں گا۔ یہ سُن کے وہ خاموش ہو رہا۔

اور پھر سب کی نظر بچا کے غائب ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ واقعہ حضرت جنید کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے گھر میں جا کے دیکھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اُس کا عصا اور چھال بھی غائب ہیں۔ سمجھ گئے کہ وہ کوئی صاحب تصرف شخص تھا۔ باہر کے اپنے مریدوں پر خفا ہوئے۔ اور فرمایا "میں کئی بار تم لوگوں سے کہ چکا ہوں کہ کوئی اجنبی شخص آیا کرے تو اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم مجھے خبر بھی نہ ہونے پائی اور وہ اپنا عصا اور چھال اٹھائے گیا۔"

شاید یہ واقعہ حضرت شبلی کے پہلے پہل آنے کا ہو۔ کیونکہ آپ کی زندگی میں ہمیں اس قسم کا اور کوئی واقعہ کسی مستند و معتبر کتاب میں نہیں نظر آیا۔ اور نہ اور کبھی ہم نے جنید کو شبلی پر غصہ کرتے یا اٹھارنا راہی فراتے دیکھا۔ حضرت ابو بکر شبلی میں بھوش تھا۔ اور عالم باطن میں جنید کے سامنے آپ کی وہی شان نظر آتی ہے جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں تھی۔ اور ہمیں آپ سے کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا جو مرشد کو ناگوار ہو قرین قیاس نہیں معلوم تھا۔ خیر اگر ابتدائے زمانہ ارادت میں یہ مان بھی لیا جائے تو بعد کے زمانوں میں ہم حضرت جنید کو شبلی کا نہایت ہی قد دان شیخ یاتے ہیں۔ حضرت جنید کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ ابو بکر شبلی پر اکثر ایک مدہوشی کا عالم طاری رہتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ رہتا کہ کون بیٹھا ہے اور کون کس خیال و مذاق کا ہے۔ ایک دن دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے اور عشق الہی سے بتیاب و سبے قرار عجب مستانہ وضع سے اپنے مرشد حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سامنے آ کے

ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اور اتھاڑ بے گیتیابی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور خوش
خروش سے یہ اشعار پڑھے۔

عَوَّذُ فِي الْوَصَالِ وَالْوَصْلِ عَذُوبٌ وَسَمُوفِي بِالْصَّدِّ وَالْعَدْلِ صَعْبٌ
مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیرین ہے۔ اور روگردانی ت مجھے زحمت
کیا اور۔ وگردانی بڑی دشوار خیر ہے۔

وَعَمَّا جَاءَنَا مِنْ عَوَارِثٍ وَسُلُوبٍ فَبِمَا يَحْصِي لَهُم مَّا آتَاكَ مِنْ شَبِّ
مجھے زحمت کرنے کا ارادہ کرتے وقت وہ دیکھے کہ میرا گنا ویسی ہے کہ مجھے ان سے
زیادہ محبت ہے۔ حالانکہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

لَا كَوْفٍ الْخُلُوعِ عِنْدَ الْمَكَلَّافِ مَا جَزَاءُ مَنْ يَجِبُ أَنْ لَا يَجِيثَ
اِس نفرت منی قسم جو وصال کے وقت ہوا کرتی ہے محبت کرنے والے کی سزا
یہ نہیں ہے کہ محبت ہی نہ کرے۔

یہ اشعار ابن کے حضرت جنید نے بھی بتیاتی کے ساتھ یہ پڑجوش و پرصرت شعر پڑیا۔
وَتَكُنْتُ أَنْ أَمْرًا فَكُنَّا رَأْيُنَا عَظِيمًا عَظِيمًا وَهَيْئَةُ الشُّرُوكِ أَمَلُكَ الْبُكَ
اور مجھے تیرے دیکھنے کی تنائی۔ لیکن جب تجھے دیکھا تو مسرت کی حیرت اس قدر
حاری ہوئی کہ جوش گریہ کو نہ روک سکا۔

حضرت جنید کے حالات میں ناظرین اس واقعہ کو بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اگر ہم
ضروری خیال کر کے ابو بکر شبلی کے واقعات میں بھی اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ شبلی ایک
دن نئے وحدت کے نئے زمین چورستانہ وضع سے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جناب جنید کی بی بی عارف زمانہ شوہر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک نامحرم مرید کو آتے دیکھ کے ارادہ کیا کہ اٹھ کے پردے میں چھپ جائیں۔ مگر جنید نے روکا اور فرمایا "کہاں جاتی ہو؟ شبلی اس وقت اپنے آپے میں نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ یہاں موجود ہیں۔ وہ تو غائب ہیں۔ اور عالم باطن کی سیر کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں تھیں چھپنے کی ضرورت نہیں" شوہر کی زبان سے یہ کلمات سن کے بیچاری اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئیں۔ اور شبلی اندر آئے جن سے جنید سے کچھ باتیں ہوئیں۔ اٹناٹے گفتگو میں شبلی پر یکایک پھر ایک حالت طاری ہوئی۔ اور رنگ متغیر ہونے لگا۔ یہ رنگ دیکھتے ہی جنید نے بی بی سے فرمایا "تھارے چھپنے کا وقت آ گیا۔ کیونکہ شبلی عالم باطن سے ظاہر کی طرف آرہے ہیں۔ اب تم اٹھ کے پردے میں چلی جاؤ" وہ اٹھ کے پردے میں چلی گئیں۔ اور شبلی پھر اسی عالم ظاہر میں تھے۔ بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کا وہ اشعار پڑھنے کا مذکورہ سابق واقعہ اور یہ جنید کی بی بی کے سامنے آنے کا واقعہ دونوں ایک ہی وقت میں گزرے یعنی وہ اشعار شبلی نے اسی محترم خاتون کے سامنے پڑھے تھے۔

اب جذبات وحدت نے شبلی کا یہ عالم کر دیا تھا کہ مرشد کو بھی اکثر خاموشی کے ساتھ ان کے غدرات تسلیم کر لینا پڑتے۔ چنانچہ جب انھیں حد سے گزرتے اور غفی جذبات باطن کو علانیہ اور علی رؤس الاشهاد بیان کرتے دیکھا تو حضرت جنید نے روکا اور فرمایا "میں ان رموز کو پوشیدہ بیان کیا کرتا تھا اور تم منبروں پر چڑھ چڑھ کے علانیہ کہا کرتے ہو۔ خودی سے گزرے ہوئے پرجوش مرید نے عرض کیا "میں ہی

گمناہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔ میرے سوا دونوں جہان میں موجود ہی کون اور
 یہ صداقی سے آتی ہے۔ اور حق کی طرف جاتی ہے۔ درمیان میں شبلی نہیں ہے۔
 یہ جواب ثانی سن کے حضرت جنید یوسے یون ہے تو تم جو چاہو کہو، باوجود اس کے
 حضرت جنید اب بھی اکثر ہی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے پیچید کو ٹچ بولن پر نہ ظاہر
 کیا کرو، اگر اس نصیحت پر عمل کرنا شبلی کے اختیار سے باہر تھا۔ بعض اوقات شیخ کے
 ہند و نضال پر آپ ایسی پُر لطف تعریض فرماتے کہ خود مرشد کا دل پھڑک جاتا، ایک
 دن انشاء اللہ گشت میں حضرت جنید نے فرمایا ”من طلب وجد“ (جس نے ڈھونڈنا چاہا)
 شبلی یوسے جانیوں نہیں۔ یون فرمائیے کہ ”من وجد طلب“ (جس نے پایا وہی طالب ہے)
 ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مانک جو بندار ارغانی کے شاگرد تھے انھوں نے پچھلے
 سو برس کی عمر پائی تھی اور شیخ ابو بکر شبلی کو دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار
 جنید نے منبر پر جا کے فرمایا ”حق جنید حاضر ہو“ مطلب یہ تھا کہ ”جنید (میں) سچ مجھ پر ہو
 تھا“ شبلی نے ایک جوش و خروش کے ساتھ فوراً اٹھ کا۔ اور کہا ”غیبت حرام ہے“ مطلب
 یہ کہ جنید کہاں ہوا اس ذات وحدہ لا شریک کے کوئی نہ تھا۔ اور جب کہ جنید غائب تھے تو
 پھر ان کو ان کے پیچھے پیچھے موجود بتانا غیبت ہے۔

ایک دن جنید نے پوچھا ”تم حق تعالیٰ کو کیونکر یاد کرتے ہو؟“ اس سے کہ نہ تم میں
 اس کے یاد کرنے کے قابل صدق ہے۔ اور نہ اس کے ذکر کی صلاحیت ہے۔ حضرت
 جنید کے اس قول میں صرف شبلی مخاطب نہیں بلکہ انسانی حالت و فطرت کی نسبت
 کہا گیا ہے کہ اس میں خدا کا ذکر کرنے کے مناسب صدق اور اس کا نام زبان پر

لانے کی اہلیت نہیں ہو سکتی۔ شبلی نے کہا ”میں چشیت مجاز اُس کو اس قدر یاد کرتا ہوں کہ وہ چشیت حقیقت خود ہی میری طرف توجہ کرتا اور ایک بار مجھے یاد کر لیتا ہے۔“ یہ ایسی سچی اور پتہ کی بات تھی کہ حضرت جنید سا ضابطہ و متین شخص بھی ایک نعرہ مار کے بیہوش ہو گیا۔ مرشد کی یہ حالت دیکھ کر شبلی کی زبان سے نکلا ”رہنے بھی دو“ کیونکہ اس دربار میں کبھی خلعت ملتا ہے اور کبھی تازیانہ“

ان باتوں سے جنید شبلی کے کمال روحانی کالو ہا مان گئے تھے چنانچہ ایک ن شبلی کو شوق و وجد کے غلبہ سے متحیر و مضطرب دیکھ کے کہا ”شبلی اگر تم اپنا کام حق تعالیٰ پر چھوڑ دو تو راحت پاؤ“ یہ سن کر شبلی نے جواب دیا ”یوں تو نہیں۔ لیکن ہاں اگر حق تعالیٰ میرا کام مجھ پر چھوڑے تو البتہ راحت پاؤں“ جنید یہ سنتے ہی بے تحاشا کہ اٹھے شبلی کی تلوار سے خون ٹپکتا ہے“

انھیں باتوں کی وجہ سے حضرت جنید کے ساتھ شبلی کو ایسی خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی صحبت میں جو قدر و منزلت آتی ہوتی کسی کی نہ تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جنید نے اپنے مریدوں اور حاضرین صحبت سے فرمایا ”تم لوگ باہم ایک دوسرے کو جس آنکھ سے دیکھتے ہو اُس آنکھ سے شبلی کو نہ دیکھا کرو۔ کیونکہ یہ ایک آنکھ ہیں اللہ کی آنکھوں میں سے“

ایک بار جنید نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر شبلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ صبح اٹھتے ہی شبلی سے یہ کیفیت بیان کر کے پوچھا ”تم ایسے کون سے اعمال کیا کرتے ہو؟“ انھوں نے عرض کیا کہ ”نماز مغرب کی اتنی جلد“

و در کت نفل پڑھا کرتا ہوں۔ اور اُن میں آئیے کر لیے لقد جاءکم رسول من انفسکم
 عزیزاً خضو و پڑھا کرتا ہوں، اُن کے جنید نے فرمایا بے شک یہ اسی کی برکت
 ہے۔ غالباً اسی معاملے کو ملاحظہ فرما کے اور نیز دیگر حالات باطن کا اندازہ کر کے
 اکثر فرمایا کرتے تھے ”ہر قوم کا ایک تاج ہوا کرتا ہے اور شبلی اس قوم کے تاج ہیں“
 اور یہ بھی مرشد کی خدمت میں اب اس قدر بیاک ہو گئے تھے کہ اپنے
 جذبات پاکباطنی کے جوش میں جو چاہتے کر گزرتے۔ چنانچہ ایک دن حضرت جنید
 کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن کی صورت دیکھی۔ اور ہاتھ بڑھا کے اُن کے
 حمائے کی بندش بگاڑ دی جنید نے تو عرض نہیں کیا۔ مگر حاضرین نے متحیر ہو کر
 پوچھا کیا؟ بولے ”مجھے اس وقت یہ پگڑی بہت ہی بھلی اور خوشنما معلوم ہوئی۔
 اس لیے میں نے اُسے بگاڑ دیا یعنی میں اپنے مرشد کے لیے زینت و زیبائی کو نہیں
 پسند کرتا۔“

لیکن باوجود ان قدر دانیوں اور ایسی قربت کے راز و نیاز کے حضرت
 جنید نے اپنی مرشدی اور اُستادی کی وضع نہیں چھوڑی تھی۔ کبھی کوئی ایسی بات
 نہ ہونے دیتے جس سے شبلی کا نفس موٹا ہو۔ ایک دن خدمت میں بہت سے مرید
 اور عقیدت مند شیش حاضر تھے۔ اور شبلی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے شبلی کی تقریر
 شروع کی کہ ”اُن میں صدق ہے ذوق و شوق ہے۔ اور یہ ایسی باتیں ہیں جو
 اور کسی میں کم نظر آتی ہیں“ حضرت جنید بولے ”غلط کہتے ہو۔ یہ تو مردود اور خدلسے
 دور ہے۔“ پھر حکم دیا کہ ”شبلی کو میری صحبت سے نکال دو۔“ جب شبلی اس حکم کے

مطابق نکالے جانچکے توارشاد فرمایا ”تھاری یہ تعریف تعریف نہ تھی بلکہ ایک تلوار تھی جس سے تم شبلی کو قتل کیا چاہتے تھے۔ اگر میں نے اختلاف نہ کیا ہوتا تو اس کا نفس سرکش ہو جاتا۔ وہ تمہارے اس حربے سے ہلاک ہونے ہی کو تھا کہ میں نے ایک سپرد میان میں کر دی اور اُسے بچا دیا۔“

حضرت جنید کے بعد بھی شیخ ابو بکر شبلی کو اپنے مرشد کا ویسا ہی ادب و لحاظ رہتا جیسا پاس ادب کہ اُن کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن جنید مرحوم و مغفور کی تربت پر کھڑے ہوئے تھے کہ کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بجائے جواب دینے کے یہ شعر پڑھ دیا۔

انی لاستحییت فی الذباب بیئنا کما کنت استحییت وھویرا نے

اس وقت جب کہ وہ ہمارے سامنے خاک میں مدفون ہیں میں اُن سے ویسی ہی شرم کرتا ہوں جیسی شرم اُن سے اُن دن کرتا تھا جب وہ مجھے دیکھتے ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں پیر اور مرید گزرے ہیں مگر جنید اور شبلی کے سے مراد و مرید کم نظر آئیں گے جس طرح اب کسی مرید کو جنید کا سامرشد ملنا دشوار ہے اسی طرح شبلی کا سامرید بھی چرخی کے ٹھونڈھے تو کسی مرشد کو نصیب ہوگا۔

مزاج طبیعت۔ اخلاق عبادات۔ اور عام واقعات

باوجودیکہ شبلی کے جذب و جوش اور بے اختیار و از خود رفتگی کی کوئی انتہا

نہ تھی مگر ان درویشوں اور فقہروں میں نہ تھے جو شرع شریف کی طرف سے غافل
و بے پروا ہو جاتے ہیں۔ آپ کے شیخ حضرت جنید بغدادی ہی کی نصیحت تھی کہ
سو حضرت رسالت صلعم کے نقش قدم پر چلنے کے خلقت پر تمام راستے بند ہیں یہ
خلافت پیہر سے رہ گزید کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

چنانچہ فرائض دین کے پورے پورے باندھے۔ نماز روزہ اور عبادت الہی میں ہمیشہ
مشغول و منہمک رہتے۔ اور اس حد سے زیادہ انہماک سے طبیعت میں ایک
اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُس اضطراب کے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ شرع مطہر
نبوی صلعم کی تعلیم میں بہت مبالغہ کرتے۔ رمضان مبارک کا مہینہ آتا تو عبادت کیلئے
خاص اہتمام اور بے انتہا کوشش فرماتے۔ اور کہتے اُس مہینے کی میرے چرندگار
نے تعلیم کی ہے تو پھر میں تو اسکی تعلیم کرنے کا اور زیادہ مستحق ہوں۔

لیکن روحانی تعلیم اور صفائے باطن کی برکت سے اس زہر و اتقا میں کسی
قسم کا عجب و کیر نہیں پیدا ہونے پایا تھا جیسا کہ اکثر متقدمین میں پیدا ہو جاتا ہے
فرماتے تھے ”میرا نگہ گاہ عجز و نیاز ہے۔ اور انکسار مجھے لاشی پکڑ کے لے چلتا
ہے۔“ مزلتہ الاقدام دنیا کی حالت دیکھ کے فرماتے ”میں چار بلاؤں میں مبتلا
ہوں۔ (۱) نفس۔ (۲) دنیا۔ (۳) ہوا۔ (۴) شیطان۔ اور تین بڑی بھاری مصیبتیں
مجھ پر آ پڑی ہیں۔ (۱) حق میرے دل سے دور ہے، (۲) باطل حق کی جگہ آ کے بیٹھ گیا
ہے، (۳) ایسا نفس کا فر فر کھتا ہوں جو اس کی دوا کی ذرا بھی فکر نہیں کرتا، اکثر فریاد کرتا
”میری ذلت نے یہود کی ذلت کو مٹا دیا۔ ایک شخص سے آپ نے پوچھا آپ کیا

عہ تبیس ابیس۔ عہ ابن ملک کان۔ جلد اول۔ ۲۲۵۔ و رسالہ تفسیر ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔

حال بیان کرو اُس نے کہا "میں حرف تک نیچے کا نقطہ ہوں" یعنی نہایت حقیر چیز ہوں۔ آپ نے سُن کے فرمایا "تم میرے گواہ ہو جب تک اپنے لیے کوئی چھپنیں معین کر سکتے؟" آپ کے انکسار کی یہ حالت تھی کہ فرمایا "ایک مدت سے ارادہ کر رہا ہوں کہ جسی اللہ کہوں۔ مگر جب کہنے پر آمادہ ہوتا ہوں دل میں خیال گزرتا ہے کہ کیوں جھوٹ بکتا ہے۔ اور یُن کے مین خاموش ہو جاتا ہوں؟"

عبدالرحمن خراسانی جو آپ کے خوش چینانِ باغ ولایت مین سے تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت شیخ شبلی کے دروازے پر جا کے دستک دی۔ آپ کھبرائے ہوئے تنگے سر اور ننگے پاؤں باہر نکل آئے اور پوچھا "کسے پوچھتے ہو؟" اُس نے کہا "شبلی کو" سننے ہی پر آپ نے نہیں سنا، مات کافر! خلا رحمہ اللہ! ادا کافر مر گیا خدا اُس پر رحم نہ کرے۔

زہد و ریاضت نے آخر الامر آپ کے دل میں رنج و الم اور تکلیف و مصیبت کی گوارائی پیدا کر دی تھی۔ رنج سے اُنس ہو گیا تھا۔ اور تکلیف مین ایک مزہ ملنے لگا تھا۔

پہنا نچہ درگاہ حضرت رب العزت مین دعا کیا کرتے کہ "خداوند! خلیقت تیری نعمتوں کی وجہ سے تجھ سے محبت کرتی ہے اور میں تیری بلاؤں کے باعث تجھ سے محبت رکھتا ہوں" اور حقیقتہً آپ کو دنیوی سامان عشرت سے بطریق نفرت تھی چنانچہ ایک دفعہ جوش مین آ کے بارگاہ الہی مین دُعا کی کہ "خدا یا دنیا و آخرت دونوں مجھے بخش دے تاکہ ان دونوں کا ایک نوالہ نہا کے کسی یہودی کے منہ

مین رکھ دوں جس کے بعد یہ دونوں پروئے خلقت کے آگے سے اٹھ جائیں اور اہل عالم منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ یہودیوں کا حرص و طامع اور انتہا درجے کا دنیا طلب ہونا یورپ میں بھی مشہور ہے۔ اور مسلمانوں کے عہد اولین میں بھی مشہور تھا۔ لہذا اس تمام سامان عیش کے دینے کے لیے ایک یہودی کو منتخب کرنا حضرت شبلی کا ایک بڑا شاعرانہ کمال ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس خیال کو انھوں نے نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

عبادت و ریاضت کے ساتھ اتقا بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔ چنانچہ اپنے اوپر عہد کر لیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھائیں گے۔ پھر اس پر بے نفسی اور یکسوئی اس بلا کی تھی کہ بعض افعال سے جو خلوص اور سچے جوش بے نفسی کا نتیجہ ہوتے جنون کی جھلک نمایاں ہو جاتی۔ ایک دن نئے کپڑے پہنے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد تارکے انھیں آگ میں رکھ دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا "یہ تو شرع کے بھی خلاف ہے" فرمایا "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ اَلَمْ دَنَا قَبْدُونَ مِنْ دُونَ اللّٰهِ حَصْبَ جَهَنَّمَ زُلْمًا وَ جَنِّ حَبْرُونَ کو تم پوجتے ہو سب دونخ کا ایندھن ہوں گے (یعنی جس چیز کی طرف تیرا دل مائل ہو وہ بھی تیرے ساتھ آتش و دنخ میں جلائی جائے گی۔ اور اس وقت اس لباس کی طرف میرا دل مائل ہو گیا تھا۔"

بعض اوقات انھیں خیالات سے جوش میں آ کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے۔ اور لوگ سمجھتے کہ جنون ہو گئے ہیں۔ ایک ایسے ہی اتفاق سے موقع پر کسی نے کہا "آپ نے اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور عید سرپراگئی۔ لوگ تو اس دن

زیب و زینت کے ساتھ نئے کپڑے پہن کے آئین گے اور آپ کی یہ حالت ہوئی۔
 فرمایا "فقیر کی زینت اُس کا فقر اور اُس فقر پر صبر کرنا ہے۔ ایک مرتبہ عید کو رغاویا
 کسی کے کہنے سننے سے) دو نئے کپڑے پہن لیے۔ مگر جب عید گاہ میں گئے تو دیکھا کہ
 لباس کے اتنا زکا کا لحاظ کر کے لوگ ایک دوسرے کو سلام کر رہے ہیں۔ دنیا پرستی
 کی یہ تصویر دیکھتے ہی ان کے دل میں کچھ ایسا جوش پیدا ہوا کہ اپنے وہ دونوں نئے
 کپڑے اتار کے ایک تنور میں ڈال دیے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا جواب
 دیا "میرے دل میں آئی کہ جس چیز کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں اُسے جلا دوں"
 اور اس کے بعد اپنا معمولی زرد و سیاہ فقیرانہ لباس پہن لیا۔

علیٰ ہذا القیاس ابو عبد اللہ رازی جو نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھے بیان
 کرتے ہیں کہ ابن انباری نے مجھے ایک صوف کا کپڑا بچایا تھا۔ اور اُس کے بعد
 اتفاقاً میں نے شیخ ابو بکر شبلی کے سر پر ایک عمدہ ٹوپی دیکھی جو اُس صوف کے لباس پر
 بوزون اور اُس کے جوڑ کی تھی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش یہ دونوں
 چیزیں میرے پاس ہوتیں۔ انھوں نے اُس ٹوپی کو کچھ ایسی لالچ کی نگاہ سے دیکھا
 تھا کہ شبلی ان کے دل کی ہوس پرستی کو سمجھ گئے۔ جب اُس صحبت سے جس میں
 تھے اُٹھ کے چلے تو ابو عبد اللہ رازی کی طرف پھر سے دیکھا۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں
 یہ اُن کا معمول تھا کہ جب مجھے ساتھ لیجانا ہوتا تو اُنھنے وقت میری طرف دیکھ لیا
 کرتے۔ چنانچہ یہ اشارہ پاتے ہی میں اُن کے پیچھے ہولیا۔ اپنے گھر میں پہنچ کے
 مجھے بھی اندر بلایا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھ سے کہا "اپنا یہ صوف کا کپڑا اتارو۔"

میں نے اُتار کے حوالہ کیا تو اُسے پیٹ کے رکھا۔ پھر اپنی وہ ٹوپی سر سے اُتار کے اُس پر رکھ دی۔ اور آگ منگوا کے دونوں کو جلا دیا۔

کچھ اسی واقعہ پر مختصر نہیں معمول تھا کہ جب کبھی کوئی کپڑا صوف ہو یا پیرا ہن ٹوپی ہو یا پانچا منہ نفس کو بھلا معلوم ہو تو اُسے پیٹ کے آگ میں ڈال دیتے۔ جلا کے خاک کر دیتے۔ اور کہتے ”جس چیز کی طرف نفس مائل ہو اور وہ ماسوی اللہ ہو اُس کا تلف کر دینا واجب ہے۔“ لوگوں نے عرض کیا۔ تو حضرت آپ اُسے صدقہ کیون نہیں کر دیتے؟ فرمایا ”اس طرح اُس کی صورت و حالت تو باقی رہے گی۔ کبھی کسی دوسرے جسم پر کچھ کے بھی دل کو رغبت ہوتی ہے۔ جلائے سے وہ جھٹ پٹ تلف ہو جاتا ہے۔ اور خدا کی طرف توجہ پیدا ہو جاتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب جتنہ کا حکم ہوا تو اُنھوں نے فوراً کلہاڑی سے اپنا جتنہ کڑالا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنا صبر کیوں نہ کیا کہ اُسے ستر فریم کر لیتے۔ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”خدا کے حکم میں اتنی تاخیر کرنا کوئی معمولی بات تھی؟“ اُن کے لباس کی یہ وضع تھی کہ ابتداً سیاہ کپڑے پہنا کرتے تھے۔ کیونکہ امرائے دولت میں تھے۔ اور بنی عباس کے دور میں خود خلفاء اور اہل دربار بلکہ تمام امرائے مملکت کا لباس سیاہ رنگ کا ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب فقرا اور اہل باطن کے اُمرے میں شامل ہوئے تو خرقة پہننے لگے۔ جو مشائخ باطن کی عام وضع تھی۔ اور غالباً ہر گاہ رنگ زرد ہو گا۔ جیسا کہ اشارۃً اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہی رنگ آج تک فقرا و مشائخ میں رواج پذیر ہے۔

حضرت جنید بغدادی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُنھیں خرقة پہننے

سے انکار تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ اُن کے مرید خاص ابو بکر شبلی کو ہم وہی لباس پہنے دیکھتے ہیں جسے جنید نے اپنے لیے ناپسند کیا تھا۔ بعض کو تہ اندیش حضرت جنید پر اعتراض کر بیٹھیں گے کہ ”اچھ پر خود تہ پسندی بردیگران پسند“ لیکن اتنے بڑے بزرگ پر ایسی ذلیل نکتہ چینی کرنا گستاخی ہے۔

لباس کی بحث آج کل بھی اکثر چھڑا کرتی ہے۔ کیونکہ انقلاب زمانہ اور امارت معاشرت کا مذاق بدل جانے سے ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں میں انگریزی لباس روز بروز زیادہ رواج پذیر ہوتا جاتا ہے۔ کتنے خیال بزرگ فرماتے ہیں کہ ”من تشبہ بقوم فهو منهم۔“ ان لوگوں کا حشر بھی عیسائیوں ہی کے ساتھ ہوگا۔ نئے خیالات والے آزاد مشرب کہتے ہیں کہ ”اسلام ساری دنیا کے لیے ہو اُس نے کوئی رومی مخصوص نہیں کی۔ اور یہ حدیث اگر صحیح ہو تو بھی معاملات دینی کے ساتھ مخصوص ہے نہ معاشرت سے۔ ورنہ خود آنحضرت صلم نے جب رومی پہنا ہے جو اُس دور کا انگریزی کوٹ تھا۔“

سچ یہ ہے کہ اب ان تنگ خیالیوں کا زمانہ نہیں رہا۔ ایسے امور کو زیادہ تر تعلق انسان کی نیت اور اُس کے مقصد و غرض سے ہوا کرتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر گروہ کی ایک وضع ہوتی ہے۔ اور اُس کا کوئی نہ کوئی رومی و لباس ضرور ہوا کرتا ہے۔ اُس رومی میں ہونا بغیر زبان سے کہے بتا دیا کرتا ہے کہ یہ شخص اُس گروہ اور طبقہ سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس کی ضرورت دین کو نہیں بلکہ معاشرت کو اور دنیوی سوسائٹی کو ہے۔ تاکہ صورت دیکھتے ہی ہر شخص کے ساتھ اُس کی شان و حالت کے مناسب تاؤ کیا جاسکے۔ لیکن علماء و مشائخ چونکہ قوم کے مقتدا اور سراج ہوا کرتے ہیں لہذا ان میں اکثر

اسی لباس کے پہلو سے ریاکاری و نمود اور تجسس و خیال و نخوت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سبب سے عالمانہ اور درویشانہ زمینی و جہتین پیدا ہو گئی ہیں۔ یعنی ممکن ہے کہ کوئی ریاکاری و خیال سے بچنے کے خیال سے اُسے ترک کر دے۔ اور کوئی یہ خیال کر کے کہ میں جس گروہ کی وضع اختیار کروں گا۔ اُسی گروہ کے خصائل و عادات اختیار کرنے کا شوق دل میں پیدا ہو گا اُسے اختیار کر لے۔ اگرچہ دونوں کے مذاق میں اختلاف اور یوں بعید ہے مگر دونوں شخص اپنی جگہ پر نیک نیست ہیں اور کمال پاکبازی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

حضرت جنید اس قدر مشہور و معروف تھے کہ ضرورت نہ تھی فقیرانہ لباس کو ذریعہ تعارف قرار دین۔ بخلاف اس کے اُن کے مریدین کے لیے فقیرانہ وضع کا قائم رکھنا لازمی تھا۔ کیونکہ اور لوگ درکنار بعض کو شاید بعض اوقات خود بھی بھول جاتا کہ ہم درویش ہیں یا کوئی دینا دار۔ رہا یہ کہ حضرت شبلی نے ارادت کے مراحل طے کر کے جب ارشاد کا درجہ حاصل کر لیا تو اُس وقت بھی اس لباس سے کیوں نہ کنارہ کشی کی اس کا فیصلہ مناسب تھا کہ ہم حضرت شبلی ہی کے مذاق و خیال پر چھوڑ دیں۔ اُنھیں اپنی بے نفس طبیعت پر اطمینان تھا کہ اُن کا خرقہ کبھی دلق سا بوس نہ بنے گا۔ اور کبھی کیر و نخوت میں نہ مبتلا ہوں گے۔ اور اپنے فقیرانہ مشاغل کا شوق قائم رکھنے کے لیے وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ اُس مقدس گروہ کے زمی و لباس کو چھوڑ دیں۔ اسی طرح آج کل کے کوٹ پٹون پہننے والوں کی نسبت بھی ہمیں کوئی عام رائے قائم کر دینی چاہیے کیونکہ ان میں بھی مختلف مذاق و مقاصد کے لوگ ہیں۔ اور ایسے لیے بھی مختلف جہتین پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض اسے آج کل کی وضع امارت تصور کرتے ہیں۔

بعض اس میں پھر تیل پین یا اور قسم کی معاشرتی سہولتیں اور خوبیاں پاتے ہیں بعض بجائے عیسائیوں کے اسے ترکوں کا لباس خیال کر کے اختیار کرتے ہیں۔ اور شاید نادری کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو محض اس لیے انگریزی لباس پہنتا ہو کہ عیسائیوں کا لباس ہے۔ اور سب سے بڑی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اپنی مسئلہ بنانا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ ایک معاشرت و سوسائٹی کا مسئلہ ہے۔ اور دنیوی امتیاز و تعارف کے لیے ہے نہ ثواب و عقاب حاصل کرنے کے لیے۔ حضرت شبلی اگرچہ عموماً زرد رنگ کا لباس پہنا کرتے تھے مگر کبھی کبھی سیاہ لباس بھی پہن لیا کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عید کے دن سیاہ کپڑے پہنے وجد و بخود کی حالت میں نظر آئے۔ لوگوں نے پوچھا "حضرت یہ سیاہ کپڑے کیوں؟" فرمایا "خلقت کی مصیبت کے غم میں اس لیے کہ خدا سے غافل ہے۔"

حضرت شبلی گو خود خرقة پوش تھے مگر نالشتی خرقة پہننے والوں کی نسبت ان کے جو خیالات تھے ان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایک شخص ذرا ان کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا کہ "آپ کے اصحاب اور مریدوں کی ایک جماعت آئی ہے۔ اور وہ لوگ جامع مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" آپ ان سے ملنے کو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سب کے سب خرقة پہنے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی فرمایا "اھا الحیٹام فانھا کھنجا حرم و اری نساء الحی خیر نسائھا" (خیمے تو ان ویسے تھیں مگر قبیلہ کی عورتیں دوسری معلوم ہوتی ہیں) یعنی لباس تو بے شک تارک الدنیا بزرگوں کا سا ہے مگر پہنے والے ویسے نہیں بلکہ نفس پرست ہیں۔

عہ تذکرۃ الاولیاء - ۶۸۱ ص ۴۴۱ تلخیص ابلیس (تبیس علی الصغیرۃ فی لباسہم)

آپ کا معمول تھا کہ بغداد میں جامع منصور کے اندر فقیہ ابو عمران کے حلقہ درس کے برابر بیٹھ کے خلق اللہ اور طالبان حقیقت کو روحانی درس دیا کرتے۔ اور گرد و مریدوں کا حلقہ ہوتا۔ آپ کے خادم ابو بکر اصفہانی بھی اس حلقہ فیض میں شریک رہا کرتے۔ انھیں کا بیان ہے کہ ابن سہمون جو بعد کے زمانے میں ایک بڑے اعلیٰ پایہ کے ولی کامل ہوئے ہیں اور ”الناطق بالحق“ کے قلم لقب سے مشہور تھے اُن کا بچپن کا زمانہ تھا۔ ایک نہایت ہی پُر تکلف ٹوپی بانگین کی وضع سے پہنے ہوئے بچوں کی طرح وہ مسجد میں داخل ہوئے شبلی کے قریب آئے۔ اور بغیر اس کے کہ انھیں سلام بھی کریں گے بڑھ گئے۔ وہ بیٹھ بھیرے جا رہے تھے کہ شبلی نے اُن کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا ”ابو بکر جانتے بھی ہو کہ اس بچے میں خدا کے کیا کیا ذخیرے ہیں؟“

یہاں حضرت شبلی کی فصیح البیانی اکثر اوقات ابو عمران کے حلقہ درس کے طلبہ کو خاموش کر دیا کرتی۔ اور ان کا وعظ سننے کے شوق میں وہ اپنا درس بھول جایا کرتے۔ ایک دن ابو عمران کے طلبہ نے اپنے زعم میں خیال کیا کہ کوئی فقہی مسئلہ پوچھ کے ہم شبلی کو خاموش کر دیں گے۔ اور مجمع عام میں شبلی کی ٹسکی ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے آپ سے مسئلہ حیض پوچھا۔ انھوں نے اس مسئلہ میں علمائے سلف اور مجتہدین کے اقوال بیان کرنا شروع کر دیے۔ پھر اُن کے باہمی اختلافات بتائے غرض ایسی سچی اور پُر اثر تقریر کی کہ تمام سامعین مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ابو عمران نے اُٹھ کے شبلی کے سر پر ہاتھ دیا۔ اور کہا ”ابو بکر میں نے اس مسئلے میں بارہ نئی باتیں تم سے جمل کیں جن کو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔“

تم نے جو کچھ بیان کیا اُس میں سے صرف تین امر مجھے معلوم تھے۔
 یہی صحبت تھی جس میں ممبر رپٹھ بیٹھ کے وہ اُن رموز عرفان اور باریک حکم
 وحدت کو بیان کیا کرتے جن کی نسبت حضرت جلیل کو خاص طور پر افتخار کا اہتمام رہتا۔
 اور بار بار حضرت شبلی سے کہتے کہ مجھ بون پر نہ ظاہر کیا کرو آپ اس صحبت میں ہر قسم
 کی ایسی تعلیم دیتے اور مریدوں کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس قدر مستعد رہتے تھے
 کہ کبھی اگر ایسا اتفاق ہو جاتا کہ صحبت دراست پڑ جاتی۔ اور کوئی طالب حقیقت
 کوئی بات نہ پوچھتا تو جوش میں آ کے کہ اُٹھتے۔ "وقع القول علیہم بما ظلموا فہم لا
 یظفون" اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کی نسبت خدا کا جو کہنا تھا پورا ہوا۔ لہذا اُن کے
 مُنہ سے بات نہیں نکلتی۔

زندگی میں بار بار بیمار ہوئے ہوں گے۔ مگر صرف دو بار ایسا اتفاق ہوا کہ لوگ
 انھیں بیمارستان یعنی دار الشفا میں اُٹھالے گئے۔ لیکن وہاں بھی اُن کی ولایت
 وقناعت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کی شان قائم رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بار
 طبیب نے کہا: "پرہیز کیجیے" کہا: "کس چیز سے؟ جو قسمت میں ہے اُس سے یا اُس سے
 جو نہیں ہے؟ جو چیز تقدیر میں لکھی ہے وہ ہر طرح ہو بچے ہی گی۔ رہی وہ جو نہیں ہے۔
 اُسے میں چاہوں بھی تو نہیں مل سکتی؟"

سلسلہ میں مقتدر باللہ نے علی بن عیسیٰ کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا
 تھا جس نے اسلئے میں دولت عباسیہ کی وزارت کا چارج لیا اور پبلک نفع رسانی

۳۵ سالہ قشیرہ۔ ۳۴۵۔ مرآۃ الجنان یا فی حالات سلسلہ ۳۵۔ رجب القشیرہ۔ ۳۵۰

۳۵ نفحات الانس۔ ۴۲۷۔ ذکر الاولیاء۔ ۶۹۶۔

کے لیے بہت سے کام کیے مسجدین تعمیر کرائیں پڑائی مسجدوں کی مرمت کرائی۔
 اُن میں فرش اور روشنی وغیرہ کا انتظام کیا۔ اماموں قاریوں اور موقوفوں کی تنجہین
 مقرر کیں۔ جابجا دار الشفائین قائم کرائیں۔ اُن پر نامی گرامی اطباء مقرر کیے۔ اور دواؤں
 وغیرہ کے علاوہ مریضوں کے بارام رہنے کا بھی بندوبست کیا۔ جہاں یہ سب تنظیمات
 ہوئے۔ وہاں خدا کی قدرت کہ اسی سال سارے عراق میں امراض دہویہ میں لوگ مبتلا
 مبتلا ہوئے کہ ہزار ہا خلقت مر گئی۔ حتیٰ کہ بہت سے مکانات کے دروازے بند ہو گئے۔
 کیونکہ کوئی رہنے والا ہی نہ رہا تھا۔

انھیں دنوں اتفاقاً ابو بکر شبلی بھی سخت بیمار ہوئے۔ اور دار الشفائین لاکھ
 رکھ گئے۔ وزیر علی بن ابی طالب کے علم و فضل اور کمال باطنی کا معتقد تھا۔ اسے خبر ہوئی
 تو فوراً خلیفہ وقت مقتدر باللہ کو اطلاع کی۔ خلیفہ نے بھی شبلی کی بیماری کو اس قدر اہم
 اہم تصور کیا کہ اپنے طبیب خاص کو جو افسر الاطباء ہونے کے شرف سے ممتاز اور ملت
 عیوی کا پیر و تھا آپ کے علاج پر مامور کیا۔ اُس نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ اور خدا
 نے آپ کو شفاء عطا فرمائی۔ صحت کے بعد اُس دربار خلافت کے محترم طبیب نے ایک دن
 شبلی سے کہا: "خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے علاج کے لیے اپنے گوشت کا ایک
 ٹکڑا کاٹ دینے کی ضرورت ہے تو میں اس میں بھی تخیل نہ کرتا۔ بلکہ خوشی سے گوارا
 کر لیتا۔" سُن کے شبلی نے جواب دیا: "مگر میری دوا کچھ اور ہی ہے۔" حکیم صاحب نے
 پوچھا: "وہ کیا؟" فرمایا: "یہ کہ اپنی صلیب توڑ کے مسلمان ہو جاؤ۔" طبیب ان کے کلمات
 کا اس قدر معتقد ہوا کہ اس حکم کی تعمیل میں بھی تامل نہ کیا اور بلا تامل پیر و ان میں

محمدی مین داخل ہو گیا جب یہ خبر خلیفہ المقتدر باللہ کو پہنچی تو سُن کے بولا ”ہننے
مریض کے پاس طبیب کو بھیجا تھا یہ نہیں سمجھے تھے کہ طبیب کے پاس مریض کو بھیج رہے ہیں“
خدا جانے یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے یا کسی اور زمانے کا کہ بیمار ہوئے۔ اور
دارالشفائین جا کر لے گئے۔ وزیر سلطنت (اُن دنوں جو کوئی ہو) عیادت کو آیا۔ اُس نے
اِس سے پیشتر اکثر اُن کو یہ کہتے سنا تھا کہ ”حسین صدیق کا معجزہ نہ ہو وہ جھوٹا ہے“ اب
اِس موقع پر اُس نے باتوں باتوں مین آپ کا یہ مقولہ یاد دلا کے کہا ”ہاں یہ تو فرمائیے
کہ آپ آپ کا وہ معجزہ کیا ہوا؟“ سنتے ہی جوشِ دینی کے لہجے مین بولے ”میرا معجزہ یہ ہے
کہ اللہ جل شانہ کے ادا مروزا ہی مین اُس کے حکم کی پیروی کروں گا اور سچ یہ ہے
کہ یہی ہر مومن دیندار کا معجزہ ہونا چاہیے۔ اِس واقعہ مین معجزہ لغوی معنوں مین
”کرامت“ کے محل پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ متاخرین کی اصطلاح شرع مین معجزہ صرف
اُس خارقِ عادت واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے ظاہر ہو۔

بیماری اور دارالشفائین پڑے ہونے کے زمانے مین بھی آپ کے جذبات
ولی اکثر نظر آجاتے۔ اور جوشِ وحدت کی بخودیان عجیب شان دکھا دیتین۔ چنانچہ
دارالشفائین پڑے ہوئے تھے کہ چند لوگ ملنے کو آئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا تم
کون لوگ ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا ”اِین! آپ نے پہچانا نہیں! ہم آپ کے دوست
اور احباب ہیں۔ بیمار سنا تھا۔ عیادت کو حاضر ہوئے ہیں“ سنتے ہی آپ پر جو جذبہ
سوار ہوا تو پتھر پھینک پھینک کے اُنھیں مارنا شروع کیا۔ اور وہ سب بدحواس
بھاگ گئے۔ اُن سے چلا کے کہا ”جھوٹا امیر! دوست ہو تو میری مصیبت پر صبر کرو“

یہ بے صبری کیسی کہ بیان دوڑے آئے ہو؟

یہ جوشِ جنون کی سی شان آپ پر زیادہ تر و نورِ عبادت اور جذباتِ وحدت میں محو ہو جانے کے سبب سے طاری رہا کرتی تھی۔ اور بہت کچھ دخل اس میں اس امر کو بھی تھا کہ متعدد مجنونوں کو دیکھا۔ جن کی باتوں میں آپ کو نور حق کا جلوہ نظر آگیا۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بہلول (جن کا نام ہمارے فارسی لٹریچر میں بہت مشہور ہے اور باوجود جنون ہونے کے بہلول وانا کہے جاتے ہیں) میرے قریب سے ہو کے گزرے۔ ایک زرگل پیرون کے نیچے تھا۔ جس پر بچوں کی طرح سوار تھے۔ ہاتھ میں ایک گرز تھا اور مقامِ جہانہ کی طرف جارہے تھے۔ میں نے پوچھا ”بہلول کہہ کر ارادہ ہے؟“ بونے اللہ جل شانہ کے سامنے جائزہ دینے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کے چلے گئے۔ اور میں خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ پلٹے چلے آتے ہیں۔ اور اس حالت سے کہ وہ زرگل جو ان کا گھوڑا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ اور دونوں آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو گئی ہیں۔ میں نے پوچھا ”کہو کیا گزری؟“ جواب دیا ”اُس کے سامنے میں جا کے کھڑا ہوا۔ امید تھی کہ خادموں میں میرا نام لکھ جائے گا۔ لیکن جیسے ہی مجھے پچا تاں مگلا دیا۔ یہ کہہ کے بہلول تو چلے گئے۔ مگر ان کے دل پر ایسا اثر نہیں چھوڑے گئے تھے کہ زندگی بھر مٹا سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس فرماتے ہیں ایک جمعہ کو جامعِ کھافہ کے پاس میں نے ایک مجنون کو دیکھا کہ ننگا کھڑا ہے اور کہتا ہے ”میں اللہ میان کا سٹری ہوں“ میں نے کہا ”اللہ میان کے سٹری ہو تو پھر اُس کی مسجد میں کیوں نہیں آتے کہ کپڑے پہن کے

مسلط کر دیا۔ تاکہ ستائین۔ مین نے کہا "تم نے سنا بھی کہ اڑکے کیا کہتے ہیں؟" فوراً میری طرف دیکھ کے پہلے کہا "امین! شبلی!" پھر بوجھا "کیا کہتے ہیں؟" مین نے کہا کہتے ہیں کہ تم اپنے گمان مین خدا کو دیکھتے اور اُس سے باتیں کرتے ہو؟" یہ الفاظ سنتے ہی اُس نے جوش و خروش سے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا شبلی قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے اپنی محبت مین مبتلا کیا۔ اور پھر اپنے قرب و بعد کے درمیان مین اُنکار کھا ہے۔ ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر وہ میری نظر سے ادھل ہو جائے تو مین صدۂ فراق سے تڑپ تڑپ کے پاش پاش ہو جاؤں۔ پھر کچھ شعر پڑھا۔

خیال کئی عینی و ذکر کئی نے نے و مشکواک فی قلبی فماین تعین
 (تیرا خیال میری آنکھوں مین ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہے۔ اور تیرا مقام میرے دل مین ہے۔ پھر تو کہاں پھینکے جائے گا؟) اور یہی شعر پڑھتا ہوا بھاگا چلا گیا۔ اگر غور سے دیکھیے تو یہ واقعات بھولنے والے نہ تھے۔ اور ایک شخص کو جیسا کہ دل حضرت ابو بکر شبلی کا ایسا خدا جانے کہا بنا دے سکتے تھے۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ انھیں دنوں حسین بن منصور حلاج کا واقعہ پیش آیا۔ جو انھیں کے مرشد حضرت جنید کے مرید۔ جذبات مین ڈوبے ہوئے۔ اور ایسے مخفی الحال شخص تھے کہ خدا جانے کیا تھے اور کس مذاق کے تھے۔ صوفیہ متاخرین اور تقریباً کل شعراء فارس نے انھیں ایک ولی کامل۔ اعلیٰ درجے کا صوفی صافی۔ جذبات وحدت مین غرق۔ اور قنایت کے درجے پر پہنچا ہوا شیخ باطن تسلیم کر لیا ہے۔ گو ان کی نسبت بڑے بڑے اختلافات ہیں مگر صوفیہ متاخرین کا دعویٰ ہے کہ اُنھوں نے جوش مین آکے نعرہ

”انا الحق“ بلند کیا یہ خلاف شرع شرافت و عوے اگرچہ اہل ذوق کے گوش باطنی کو ناگوار ہونے کے عوض سچا معلوم ہو مگر علما و خلیفہ المکلفی باللہ کے و زبار میں شکاست پیش کی جس کے حکم سے اس عہد کے علما اور قاضیوں نے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور حسین بن منصور مصلوب ہونے کے بعد قتل کیے گئے۔

ظاہر ہے کہ خود اپنے ہی مرشد کے ایک مرید اور اپنے ہی مکتب عرفان کے ایک طالب حق کو ایسی حالت میں مبتلا دیکھ کے آپ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟ اور کیسے کیسے خیالات دل میں گذرے ہوں گے؟ تاہم اتنی احتیاط ضرور تھی کہ جب منصور نے آپ کو اپنے ہم خیال و ہم عقیدہ بوگون میں بتایا تو آپ نے اگرچہ اس خیال و عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کی مگر حسین بن منصور علاج کے قتل کا فتویٰ دینے سے بھی ہاتھ روکا۔ اور جو کچھ فرمایا صرف اس قدر تھا کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہوں۔ روکا جائے۔ جس امر میں کہ ابوالعباس عطار۔ ابو عبد اللہ شافعی ابوالقاسم نصر آبادی اور ابوالعباس سرچ کے ایسے نامی گرامی بزرگان زمانہ نے بھی آپ سے اتفاق کیا۔ بلکہ متاخرین کی ایک روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ربلی نے چاہے صریح الفاظ میں علاج کے اقوال کی تصدیق نہ کی ہو مگر ضمناً ان کی حقیقت تسلیم کر لی۔ اس لیے کہ علاج جب مصلوب کیے گئے تو ربلی سولے کے نیچے جا کے کھڑے ہوئے۔ اور ان سے کہا۔ اَوَکَرْتَمَنْکَ عَلَ الْعَالَمِیْنَ ”یعنی اہل عالم پر شک کرنے سے ہم نے تمہیں نہیں منع کیا تھا؟“ جس قاضی نے قتل کا فتویٰ دیا تھا سن کے بولا ”وہ علاج (تو تو بڑی ہی کا دعویٰ کر رہا تھا مگر یہ ربلی) خدائی کا بھی دعویٰ کر رہے ہیں“

سے تلبیس ابلیس۔ باب فی فضل ۵۔

شبلی نے اس کے جواب میں کہا ”جو یہ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں مگر فرق یہ ہے کہ دیوانگی نے مجھے بچا لیا۔ اور عقل نے انہیں تباہ کیا۔“

لیکن ہمیں مذکورہ بالا واقعہ کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ ہمدانی کی یہ روایت زیادہ قابل وثوق ہے کہ ”حسین بن منصور کے قتل کے وقت جناب شبلی نے فاطمہ زینبؓ پر یہ نام ایک عورت کو ان کے پاس بھیجا۔ اور اس کے ذریعہ سے چند باتیں دریافت کرائیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ ”تصوف کیا چیز ہے؟“ اس کا جواب الجالج نے یہ دیا کہ ”جو کچھ ہون میں ہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بخدا لم نزل کبھی ایک گھڑی کے لیے بھی لذت والہ میں اختیار نہیں کیا۔“

حضرت شبلی کو سب کے پہلے قناعت کا سبق دیا گیا تھا اور اسی وجہ سے آپ میں دنیا طلبی نام کو بھی نہ تھی۔ مگر دنیا بڑی چیز ہے۔ ایک آدمہ مرتبہ کسی دنیا دار سے کچھ درخواست کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑا۔

چنانچہ ایک امیر کے پاس آدمی بھیج کے کچھ مانگوایا تو اس نے اعتراضاً کہا ”بھیا جس سے آخرت و عقبی کے طالب ہوا کرتے ہو اسی سے یہ بھی مانگو۔ یوں تو شیخ شبلی بہت ہی بے نفس بزرگ تھے مگر زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت نے انہیں قہید و خدا پرستی کے بارے میں بڑا ہی صاحب جلال بزرگ بنا دیا تھا۔ جواب میں اس کے پاس کہا ”بھیا کہ تو ذلیل ہے اور دنیا بھی ذلیل ہے۔ اس کے مقابل خدا شریف ہے اور آخرت بھی شریف ہے۔ لہذا میں ذلیل کو ذلیل سے اور شریف کو شریف سے“

عقبات الانس - ۱۳۹ - ۱۵۰ - عسکری ہسٹری آف پرشپا - از ابدا تا احمد فردوسی - مصنفہ

ایڈیٹر ڈیوان - صفحہ ۴۳۷ -

مانگتا ہوں۔ گو اس جواب کے ایک ایک لفظ سے غیظ و غضب اور جوش و جلال کی چگاریاں نکل رہی ہیں۔ مگر کس قدر سچی بات کہی ہے۔

ایسا نہ تھا کہ آپ صرف اپنے مدرسہ باطن کے طلبہ اور حلقہ نشینان درس ارادت کی رہبری و مقتدا کی اور تعلیم و تربیت ہی میں مشغول و مصروف رہتے ہوں اور دیگر ائمہ باطن کی تعلیموں اور ان کے حالات سے بے پروا ہو جائیں۔ یہ سچ ہے کہ ایک عابد و متقاض بزرگ کا کام یہ ہے کہ جس سے لو لگائی اُس کے سوا اگل چیزوں کا خیال صفحہ دل سے مٹا دے۔ لیکن چونکہ آپ امام اہل باطن تھے اور اپنے نفس کی تکمیل کے سوا دوسروں کے کمال کی فکر میں بھی رہا کرتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ دیگر مشائخ باطن اور معاصر علمائے طریقت کے حالات و تعلیمات کی تنقید بھی فرماتے رہیں۔

اس بارہ خاص میں آپ کی سرگرمی اور جستجو کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے ابوالحسنی کے کمالات باطن کی کیفیت سنی جو خراسان کے شہر نیشاپور میں گوشہ گیر تھے اور بلاد مشرق کے شیخ طریقت نبوہے تھے تو اپنے حلقہ ارادت کے ایک معتد و صاحب علم شخص کو نیشاپور بھیجا اور حکم دیا کہ پورے ایک سال تک ہر صبح و شام اُنکی صحبت میں شریک ہو انکی زبان سے جتنی باتیں سنو اُن کو بقیہ وقت لکھو۔ اور پھر ملفوظات کے اس ذخیرہ کو میرے سامنے لاکے پیش کرو۔ وہ شخص گیا۔ اور اس طرح خاموشی کے ساتھ شیخ ابوالحسنی کو پندرہ سال تک قلمبند کرتا رہا کہ نیشاپور میں کسی کو گمان بھی نہیں گذرا کہ بغداد کے شہنشاہ و معرفت کا کوئی صاحب خراسان کے اس روحانی دربار میں موجود ہے۔ یہ ملفوظات اُس نے اس ترتیب سے جمع کیے کہ

و جلدین کریں۔ ایک مین صبح کے وقت کی تعلیم تھیں اور ایک مین شام کے وقت کی ختم سال پر جب وہ مریدان ملفوظات کو لے کے حاضر ہوا تو آپ نے دونوں جلدوں کو لے کے غرض و تعمق کی نظر سے ملاحظہ فرمایا۔ اور غور کا مل کے بعد فرمایا "اس شیخ کی صبح کی باتیں تو علم حقائق کے رموز ہی نہیں معجزات ہیں۔ مگر رات کا کلام نہیں وفا سر ہے۔ اور حقیقت معرفت سے دور۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب کو وہ اپنے ستری مشاغل میں مصروف رہتا ہے۔ اور صبح کو ایسا پاک باطن اٹھتا ہے کہ کلام میں یہ اعلیٰ درجے کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کہہ کے اپنے اُس شاگرد سے پوچھا "تم نے شیخ کے گھر میں جا کے فرش ظروف اور سامان خانہ داری کو بھی دیکھا تھا وہاں اُس قسم کی چیزیں ہیں جنہیں لوگ زینت دنیا کہتے ہیں؟" عرض کیا "جی ہاں۔ میں نے وہاں فرش دیکھا۔ اور اکثر ایک دمشق طشت کو دیکھا کرتا جو مکان کے ایک کونے میں رکھا رہا کرتا تھا۔ اتنا سنبھلے ہی آپ جو سن و خروش سے چھلا اٹھے۔ اور فرمایا "بس یہی پیروز شام کو اُن کی حالت بدل دیا کرتی ہے۔"

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ باوجود مشاغل باطنی اور خدا شناسی کے جذبہ جو سن کے آپ معاشر مشائخ باطن کے حالات سے کس قدر واقف رہا کرتے تھے۔ آپ کی حالت پر غور کیا جائے تو اول سے آخر تک خوف الہی کے جذبات طاری نظر آتے ہیں۔ اور خود ہی فرماتے تھے "کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مجھ پر خوف طاری ہوا۔ اور ساتھ ہی حکمت و غیرت کے دروازے میرے دل پر نہ کھل گئے ہوں۔"

آپ کے خدائے اعلیٰ و عادات سے حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے بھی

اپنی بے مثل و بے نظیر اخلاقی و روحانی کتاب بوستان میں فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ دہم
یہ ہے کہ آپ نے ایک دن گھون کا ایک بوجھ بیٹھ پر لاد کے بازار سے گاؤں میں
پہنچایا۔ وہاں پہنچ کے نظر آیا کہ گھون میں ایک چوتھی بھی چلی آئی ہے۔ رات کو
سوئے تو نیند نہ آئی کہ میں تو اپنی خوابگاہ میں ہوں اور وہ چوتھی میرے سب سے
بے خانمان ہو گئی۔ آخر اسے گھون میں سے ڈھونڈ کے نکالا اور جہان سے لائے
تھے وہیں پہنچا آئے تب حین پڑا۔ چنانچہ اسی واقعہ کو شیخ سعدی نے ان دیکش
الفاظ میں نظم فرمایا ہے:-

ایکے سیرت نیکر دان شنو	اگر نیکروی و پاکیزہ رو
کہ شبلی زحانوت گندم فروش	بیرہ بردان بنان گندم بدوش
نگہ کرو مورے درغلہ دید	کہ سرگشتہ از ہر طرف میدوید
ز رحمت برو شبنبارست خفت	بماوای خود بازش آورد گفت
مروت نباشد کہ این مور ریش	پراگندہ گردانم از جای طیش

محبت۔ اور ذوق و شوق

اسلام نے ان گذشتہ تیرہ سو برس میں بڑے بڑے باخدا اور برگزیدہ بارگاہ
لم یزلی پیدا کیے جن میں صحابہ کبار اور بعد کے طبقات میں ابو بکر شبلی سے بہت زیادہ
مرتبہ کے خدا شناس و خدا رسیدہ گزر گئے ہیں لیکن اس جوش و شوق اور ایسے ذوق و
شوق کے لوگ کم نظر آتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے ”چالیس برس سے متناس ہے کہ

ایک گھڑی کے لیے خدا کو جانوں اور بچاؤن۔ اسی جویش کو دوسرے الفاظ میں بچاؤ
 اٹھکارا فرماتے ہیں اس آرزو میں عمر گزر گئی کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی خلوت نصیب
 ہو کہ شبلی درمیان تین نہ رہے۔

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابو بکر شبلی سے ملنے کے لیے اُنکے
 گھر گیا۔ تو دیکھا کہ بار بار چلاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ جس قرب کی عادت ہو اُسے بعد میں
 صبر نہیں آتا۔ اور جسے تیری محبت ہے اُس میں تیرے بھگ کی برداشت نہیں۔ اگر تجھے آنکھ
 نہ دیکھے تو دل دیکھ رہا ہے۔

جب کوئی فقیر ملے کو آتا تو پوچھتے "تھارے پاس کچھ خبر یا کچھ پتہ ہے؟ پھر مجھ کو
 عامی کا یہ مشہور شعر پڑھتے۔

أَسْأَلُ عَنْ بَيْتِ فَصْلٍ مِنْ حَبِيبٍ يُخْبِرُنَا عِلْمًا بَعْدَ مَا بَيْنَ سَنُونٍ
 (یہ لے کر پوچھتے ہو؟ بھلا کوئی خیر دینے والا ہے جو جانتا ہو اور بتائے کہ وہ کہاں جا کے
 ٹھہری ہے؟) اس کے بعد آپ ہی فرماتے "قسم ہے تیرے عزت و جلال کی خود تیرے
 سوا دونوں جان میں کوئی بتانے والا نہیں۔"

سچے خدا طلب اور خدا پرست کی شان بتاتے ہیں کہ اگر میں حق کا پورا پورا
 مرتبہ جان جاتا تو پھر کسی ماسوی اللہ سے نہ ڈرتا اور سچ یہ ہے کہ سچے موصد سے زیادہ
 آزاد و بیخوف شخص دنیا کے پرے پر نہیں ہو سکتا۔ یہی آزادی اور جرأت و شجاعت
 تھی جو تو تیرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں پیدا کر دی تھی۔ ایک طوطا بدین

سے تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۳۳۳ مرآۃ الجنان یا فی بیان سلسلہ۔ سے طبقات الکبریٰ ص ۱۳۴۔

للمرآۃ الاولیاء۔ ص ۱۳۴۔

شخص ہرگز اتنا آزاد و جری نہیں ہو سکتا جتنا کہ ایک سچا مومن خدا پرست ہوتا ہے۔
 جوش توحید سے بیتاب ہو کے کبھی کبھی آپ کہ اٹھا کرتے "جب تک یہ نہ ہو کہ رے
 زمین پر خدا کا کوئی اور یاد کرنے والا نہ باقی رہے مجھے چین نہ آئے گا۔" بعض بزرگان
 صوفیہ نے حضرت شبلی کے اس قول کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ "جب تک میں دربار
 شہود میں نہیں پہنچ لیتا مجھے چین نہیں آتا۔ کیونکہ اُس مقام پر ذکر نہیں ہے۔ لیکن سیدھی
 سادی یہ بات ہے کہ عشق الہی نے ایک جوش رقابت پیدا کر دیا ہے۔ اور ذکر
 الہی کی دُھن میں محو ہو جانے کی آرزو یہ تناکر رہی ہے کہ میں میری ہی آواز میرے
 کان میں آرہی ہو اور کسی کی نہیں۔ میں ہی ہوں اور سارا عرصہ ہستی فنا ہو۔
 درگاہ رب العزت میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ "خدا و ندا۔ اگر تو آسمان کو میری
 گردن کا طوق۔ زمین کو میرے پاؤں کی بیڑی۔ اور سارے جہان کو میرے خون
 کا پیاسا بنادے تو بھی میں تجھ سے رُو گردان نہ ہوں گا۔" اس کے بعد محویت کے
 مقام پر پہنچ کے فرماتے ہیں۔ "کل کائنات کی یہ ہستی نہیں کہ میرے دل پر گزر کر سکے۔
 پھر بھلا اُس کے دل پر اس کا گزر کیسے ہو سکتا ہے جو حق تعالیٰ کو جانتا ہو۔" سبحان للہ
 کتنا بڑا دعویٰ ہے اور پھر اُس کے ساتھ کیسا انکسار!

ایک دن نماز عصر میں دیر ہو گئی۔ بیان تک کہ آفتاب اُفق مغرب کے قریب
 پہنچ گیا جب خیال آیا تو فوراً اُٹھ کے نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف ہنستے ہوئے دیکھ کے
 فرمایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نَبِیْتُ الْیَوْمَ مِنْ عَشِيقَةٍ صَبَحَتْ فَلَا أَكْسَرَى عَشَائِي مِنْ عَدَائِي

راج اپنے عشق کی دھن میں مین نماز پڑھتا بھول گیا۔ تو اب خبر ہی نہیں ہوتی کہ کب شام ہوئی اور کب صبح ہوئی۔

ایک دن خلوت گاہ خاص میں تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا ”کون؟“ آواز آئی ”ابوبکر“ (کوئی صاحب ہون گے) فرمایا ”اس وقت تو اگر ابوبکر صدیق بھی آئیں تو دروازہ نہ کھولوں گا۔ جائیے مجھے فرصت نہیں۔“

ابو مقاتل علی کا بیان ہے کہ ”میں ایک مرتبہ ابوبکر شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ موچنے سے بھڑون کے بال اکھاڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا ”حضرت! پیچھے پال اکھاڑتے ہیں اور میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے“ فرمایا ”افسوس کہ حقیقت پھر بظاہر ہو گئی ہے۔ اور میں ضبط و برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں عہداً اپنے ہضم میں رو کو پیدا کرتا ہوں کہ شاید اس الم میں وہ تکلیف بھول جائے۔ مگر کیا کمون کہ نہ درو محسوس ہوتا ہے نہ وہ تکلیف جاتی ہے۔ اور نہ اُس کے برداشت کرنے کی طاقت ہے۔“

ایک مجلس میں آپ کو بار بار ”اللہ“ کہتے سُن کے ایک درویش بولا ”لا الہ الا اللہ کیون نہیں کہتے ہیں؟“ یہ سنتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا ”ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہوا کمون اور دم نکل جائے“ یہ بے من اور عاجز کر دینے والا فقرہ اُس صاحبِ دل درویش کے قلب پر اس قدر اثر کر گیا کہ کانپ اٹھا۔ اور اُسی وقت روح پر واز کر گئی۔ اُس کے اعتقاد درشتہ داروں نے یہ واقعہ سنا تو دعویٰ کیا کہ شبلی نے اُس غریب کو مار ڈالا۔ صرف اس کی شہرت ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ عدالت میں آپ قصاص کا

دعویٰ دائر کر دیا گیا۔ جواب وہی کے لیے لوگ آپ کو دربار خلافت میں لے گئے۔ یہاں
 وضع سے خلیفہ کے سامنے گئے تو اُس نے کہا ”تھارے پاس اپنی برأت کے لیے کیا
 جواب ہے؟“ آپ نے فرمایا ”یہ ایک جان تھی شوقِ بقا سے حق تعالیٰ کے جلال
 کی آگ سے مشتعل۔ تمام علاقے سے مجدار انسانی صفات و اوقات سے فنا۔ طاقت سے
 بے طاقت۔ صبر سے بے صبر۔ درگاہ رب العزت کا تقاضا اُس کے دل اور سینے پر
 چھایا ہوا۔ میرا کلام سنتے ہی مشاہدہ جمال کی ایک بجلی اُس کی جان پر چلی۔ اور اُسکی
 سوختہ عشقِ روحِ قفسِ قالب سے ایک چڑیا کی طرح اُرگئی۔ شبلی کا اس میں کیا گناہ؟ یہ
 پر جلالِ تقریر سنتے ہی خلیفہ نے سہم کے کہا ”انہیں فوراً یہاں سے ہٹاؤ۔ کیونکہ
 ان پر شورِ الفاظ سے ایک ایسی کیفیت و حالت میرے دل پر طاری ہے کہ ڈرتا
 ہوں بیہوش نہ ہو جاؤں“

ایک صاحبِ دل شخص نے پوچھا ”یا حضرت۔ میں آپ کو اکثر غلین کیوں
 پاتا ہوں؟ کیا وہ ہر گھڑی آپ کے پاس نہیں موجود ہے؟“ جواب میں ارشاد
 فرمایا ”اگر میں اُس کے ساتھ ہوتا تو میں ہوتا۔ میں تو اُس کی ہستی میں موجود ہوں
 ہو گیا ہوں“

ایک دن فرمانے لگے ”بھلا اُس آفتابوں کے آفتاب کی نسبت کیا کہو گے
 جس کے مقابل ظلمت ہی ظلمت ہے۔“ ذاتِ باری عزاسمہ میں اس طرح محو ہو جاتا
 کا ایک مجرمانہ نہ بھی اُس وقت نظر آگیا جب آپ کو لوگوں نے پتھر مارے۔
 پاؤں زخمی ہو گیا۔ اور اُس سے خون بہنے لگا تو خون کا جو چھاپہ زمین پر بہتا اُس سے

کہتے ہیں کہ اللہ کا لفظ بن جاتا۔

آپ کے سچے ذوق و شوق محرمیت اور فنا فی اللہ ہونے کے اکثر واقعات دیگر مقامات خصوصاً شاعری اور تعلیموں کے مباحث میں بیان کیے جائیں گے۔ مسرت اس بحث کو چھوڑ کے ہم دیگر حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

الہامات صفاۓ باطن اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ تیسری عبرت متاثر

حدیث میں آیا ہے کہ سچے پُر اثر خواب بھی نبوت کا ایک شبہ ہیں۔ چنانچہ صفاۓ باطن اور تزکیہ نفس کا یہ کمال بھی حضرت مخبر صادق روحی فداہ کے ارشاد فیض بنیاد کے مطابق آپ کو حاصل تھا۔ اگرچہ شیخ ابو بکر شبلی کے اس قسم کے خواب جو ابتدائی درجہ ولایت باری تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں کم معلوم ہو سکے۔ کیونکہ آپ کی سیرت لکھنے والوں نے زیادہ تر متوجہ صرف اُن حالات کی کی ہے جو ابتدائی نہیں بلکہ کمال ولایت کے زمانے سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ آگے چل کے معلوم ہو گا۔ تاہم ولایت خواب کا ایک واقعہ معلوم ہو سکا ہے۔ جو تزکیہ نفس کی تدریجی ترقیوں کا پورا ثبوت دیتا ہے۔ وہ خواب خود آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ ”میں نے دو شخصوں کو دیکھا جنھوں نے بہت سے امور پیش کر کے کہا ”اے شبلی جو شخص اس قسم کے کام کرتا ہے اُس کا شمار غافلوں میں ہے۔“

لیکن اس درجہ سے بہت جلد ترقی کر کے آپ اُس درجہ ولایت کو پہنچ گئے جب کہ بیداری ہی میں نور عرفان مختلف حالات و کیفیات کو آپ پر منکشف کر دیا

کرتا تھا۔ اور فرشتہ غیب کی صلے باطن کا نور میں گونج کے اکثر تبتہ کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے بحر معرفت میں غرق ہو کے فرمایا ”خداوند تعالیٰ نے مجھ پر طلوع کیا۔ اور ارشاد کیا جو سو گیا غافل ہوا۔ اور جو غافل ہوا حجاب میں ہو گیا۔“ ایک اور مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے وضو کے مسجد کا ارادہ کیا تھا۔ یکایک گوشِ عبرت نبوش میں آواز آئی۔ ”ایسا وضو؟ اور پھر یہ گستاخی کہ ہمارے گھر کو چلا ہے؟“ سنتے ہی آپ پلٹے۔ ”آب آواز آئی۔“ ہماری درگاہ سے پھر اجاتا ہے؟ بتا کہ ان جانے گا؟“ اب ضبط کی تاب نہ تھی انھوں نے ایک نعرہ مارا۔ ”آواز آئی۔“ ہم پڑھنے مارتا ہے؟“ گھبر کے خاموش کھڑے ہو گئے تو ندا آئی ”ہاں اصبر و تحمل کا دعویٰ ہے؟“ آخر آپ سے نہ رہا گیا بے تحاشا کہ اٹھے استغاث بن منک (فریاد مگر تجھی سے)

یہ خود آپ کا ضمیر روشن تھا جو فرشتہ بن کے رہبری کرتا۔ اپنی ثابت قدمی کا آپ ہی امتحان لیتا۔ اور ہر قسم کی لغزشوں سے آپ کو بچاتا تھا۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل نے مجھ سے کہا ”تو کنجوس ہے۔“ میں نے جواب دیا کہ ”نہیں میں کنجوس نہیں۔“ دل نے پھر کہا ”نہیں تو کنجوس ہے۔“ اپنے ضمیر کے دامن پر اس دھبے کے مٹانے کے لیے میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب اس نے نہ کہ کچھ خدا مجھے دے گا اُسے جو فقیر سب کے پہلے نظر آئے گا اُس کی نذر کروں گا۔ نیت کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور پچاس دینار (اشرفیان) میری نذر کین۔ میں اُنھیں لے کے گھر سے نکلا۔ سب کے پہلے ایک اندھا فقیر نظر آیا جو ایک نانی کے ساتھ بیٹھا ہوا سر منڈوا رہا تھا۔ میں نے فوراً وہ رقم لے جا کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

اور کہا یہ آپ کی نذر ہے۔ اُس نے دیکھ کے کہا ”اچھا تو اس نائی کو دے دو۔“ میں نے
 متحیر ہو کے کہا ”حضرت یہ دینار (اشرفیان) ہیں؟ اتنا سنا تھا کہ اُس فقیر نے میری
 طرف سر اٹھانے کے عجب پُر جلال نظر سے دیکھا۔ اور کہا ”ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ
 تم کیسے ہو؟“ یہ سنتے ہی ظاہر ہے کہ جناب شبلی پر صد ہا گڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کہتے
 ہیں کہ اب میں نے وہ دینار نائی کی طرف بڑھا کے ”وہ بولا کہ جس وقت یہ فقیر
 میرے سامنے آ کے بیٹھا ہے میں نے دل میں اللہ جل شانہ سے عہد کیا تھا کہ اس سے
 خطہ بنانے کی کچھ مزدوری نہ لون گا۔ اس لیے میں کچھ نہیں لے سکتا“ تب مجبور ہو کر
 میں نے وہ دینار اٹھا لیا۔ اُن سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ لیجا کے اُنھیں
 دریا میں پھینک دیا۔ اور دل میں کہا اس خدا کو جو منظور تھا کیا۔ اور اسے دنیا تجھے
 بس نے دوست رکھا وہ ذلیل ہوا۔ بعض اہل ظاہر کو اس پر اعتراض ہے کہ خدا
 کی دی ہوئی نعمت کو دریا میں پھینک کے کسی کے کام کا نہ رکھنا نہایت ہی بد
 اصرار بلکہ ناشکری ہے۔ لیکن حضرت ابو بکر شبلی پر یہ اعتراض ہرگز نہیں وارد ہوا
 اب وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مالک ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ نیت کے سا
 ہی وہ اُن کے قبضے سے نکل گئی تھی۔ اور پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب۔
 انھیں اس امر پر آمادہ کر دیا۔

ایک دن چند لوگوں کو دیکھا کہ ایک اخروٹ پر جھگڑ رہے ہیں۔ انھوں نے
 کہا ”لو میں بانٹ دوں“ وہ راہنی ہوئے۔ اور انھوں نے توڑا تو وہ اخروٹ اندر سے
 خالی اور بغیر مغز کا نکلا۔ ساتھ ہی عبرت کے کانٹے عین غیب کی آواز آئی ”بڑے بانٹنے والے ہوتے ہیں“

روشن ضمیری کے اس سچے احساس نے اور غیب کی ان سرزنشوں نے آخرین حق و باطل کی ایسی پرکھ پیدا کر دی تھی جسے کرامت اور خرق عادت کہنا چاہیے۔ فرمایا ہین کہ ایک مرتبہ میں نے عہد کیا تھا کہ سوا اکل حلال کے کچھ نہ کھاؤں گا۔ اتفاقاً صحرائوں میں پھر رہا تھا اور بادیہ گردی میں مشغول تھا کہ ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ جبکہ لگی ہی تھی اُسے دیکھ کے اور اشتہا غالب ہوئی ہاتھ بڑھا کے ارادہ کیا کہ اُس میں سے چند پھل توڑ کے کھاؤں۔ ناگمان درخت میں سے آواز آئی کہ ”شبلی۔ اپنے عہد کو نہ توڑو۔ میں ایک یودی کی ملکیت ہوں۔ اس لیے میرا پھل نہ کھاؤ“ یہ صدائے غیب سننے ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب میں بازار میں گزرتا ہوں تو اکثر لوگوں کی پیشانیوں پر سعید یا شقی کا لفظ لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ ”اب اپنی اس پاک نفسی اور صفائے باطن کو آپ خود بھی بخوبی محسوس کرنے لگے تھے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی نفس اپنے کمال باطن اور اپنی روحانی ترقیوں پر ناز کرنے لگتا جس لغزش سے بچنے کے لیے یوں سبق ملا کہ فرماتے ہین ایک مرتبہ ابلیس نے میرے پاس آ کے کہا ”تیرے اوقات کی صفائی تجھے مغرور نہ بناوے۔ کیونکہ انھیں روشن ضمیریوں کے نیچے آفتوں کی تاریکیاں ہیں“ اسے کہتے ہین۔ ”عہد و شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔ اور سچ کہا ہے کہ جن کا نفس پاک ہوتا ہے۔ نفسِ امارہ اُن کا تابع فرمان ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہی صراطِ مستقیم میں رہہ رہ جاتا ہے۔“

صفائے باطن اور پاکیزہ نفسی کے ان حالات و کیفیات نے آپ کی طبیعت میں ایک عجیب قسم کی روحانی نازک مزاجی پیدا کر دی تھی جس کا یہ اثر تھا کہ کوئی ادنیٰ اور

معمولی بات ہو آپ اُس سے بچد متاثر ہو جاتے۔ اور راہ چلتے چلتے صحبتون میں بیٹھے بیٹھے۔ اور بازار و دالوں کی صدائیں سنتے سنتے جوش میں آکے بیتاب ہو جاتے۔ اور خون کی سخت طاری ہو جاتی۔ اور سچ پوچھنے تو یہی واقعات حضرت ابو بکر شبلی کی خدا شناسی و ولایت کے خصائص ہیں۔ آج کل ہمارے یہاں تعلیم میں آنجکٹ لسن پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ یعنی علم کتاب نہیں بلکہ علم حال پر۔ اس لیے کہ ہر چیز کی حالت و کیفیت کا مشاہدہ و معانیہ کر کے جیسی سچی واقفیت طالب علم کو حاصل ہو سکتی ہے علم کتاب سفینہ سے ممکن نہیں۔ اس طرف حضرت ابو بکر شبلی کا انماک آج سے بہت پیشتر صد سے زیادہ گزرا ہوا تھا۔ آپ زندگی بھر مکتب توحید کے طالب علم رہے۔ ماری دنیا آپ کا کنڈر گارٹن (درس گاہ) میں بغیر کتاب سے مددیہ موجبات عالم کی صورتیں دکھا کے طلبہ کو اُنکے حالات بتائے جاتے ہیں) تھی۔ اور آپ کی نازک طبیعت عالم ظاہر کی ہر کیفیت کو دیکھ کر اس قدر بیتاب ہو جاتی کہ جذبات روحانی کا جوش ہوتا۔ اور چیخ اُٹھتے۔ آپ کی چیخ اور آپ کا غرہ مشہور تھا۔ حتیٰ کہ مرتش اور جعفر خلیفہ اور خواص کے ایسے بزرگان صوفیہ اُس کے معرفت اور آپ کا لوا مانے ہوئے تھے۔ آپ کے اُس غرہ مستانہ کی صدا مشائخ باطن کی صحبتوں میں آج تک گونج رہی ہو۔ اوصاف جان ووق اپنی باطن کے قانون سے متاثر ہوتے ہیں۔

خیر اب حضرت ابو بکر شبلی کی بیتا بیان اور ہر عبرت بخش لفظ یا حالت یا کیفیت پر آپ کی از خود رنگیان ملاحظہ ہوں۔ ایک دن ایک شخص نے آپ کو پوچھا۔ ”کیون حضرت ایک صاحب شخص کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور سخت کون سا صبر ہے؟“ ”صبر پابا الصبر فی اللہ (خدا کے معاملات میں صبر کرنا) سائل نے کہا ”ایسا نہیں ہو“ فرمایا ”الصبر اللہ“

(خدا کی راہ میں صبر کرنا) سائل بولا ”جی یہ بھی نہیں“ اب حضرت شیخ شبلی کی نازک مزاجی متحمل نہ ہو سکی۔ طیش میں آکے فرمایا ”اَیْسُ دَمِیْحٌ“ (تو بھڑکھٹ بتا کیا ہے) اُس نے کہا ”اَلصَّبْرُ عَنِ اللّٰهِ“ (خود خدا کے فراق میں صبر کرنا) سنتے ہی شبلی نے وجد میں آکے بے اختیار ایک نعرہ مارا۔ اور یہ ایسی چیخ تھی کہ تمام حاضرین میں ہتھوڑی کی گڑی پیدا ہو گئی۔ ایک دن راستے میں چلے جاتے تھے۔ ایک غربت کے آنسو سے نیچے والے نے صدا لگائی ”لَمْ یَبْقِ الْاَوَّلُ وَ الْاَوَّلُ“ (بس ایک رہ گیا ہے!) انھوں نے سنتے ہی بیتاب ہو کر نعرہ مارا۔ اور بار بار زبان پر یہی کلمہ جاری تھا کہ ”بس ایک رہ گیا ہے! بس ایک رہ گیا ہے!“ اور پھر آخر میں کہا ”اور سوا ایک کے کوئی رہے گا بھی نہیں!“

ایک دن بغداد کے بازار میں پھیلے جاتے تھے۔ کہ ایک کپڑے نے ہانک لگائی ”دس خیار (کھیرے) ایک دانگ کو!“ محاذ رکھنا چاہیے کہ عربی میں خیار کھیر ہے۔ کو بھی کتے ہیں اور بغیر کی جمع بھی خیار ہے۔ جس کے منہ ”نیکون“ کے ہیں۔ یہ صدا سنتے ہی آپ کی عبرت پذیر طبیعت میں جوش پیدا ہوا۔ اور فرمایا ”جب خیار دینیکون (کایہ حال ہے تو اشعار اُبرون) کو کون پوچھتا ہے؟“

ایک دن چند ولتمند دن کو عیش و عشرت میں مشغول دیکھ کے آپ نے بہ ہمتا سنا ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا ”اُن دلون کے حال پر افسوس ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کے ذکر سے غافل و بے خبر ہیں۔ یہ اسی کی سزا ہے کہ مُردار دنیا کی نخاست کے فریفتہ بنادیے گئے ہیں۔“

اسی طرح ایک دن راستے میں ایک چٹا زہ چار ہاتھا۔ اور اُس کے پیچھے پیچھے

ایک شخص روتا اور حسرت و اندوہ کے ساتھ کہتا جاتا تھا "اَلْیَوْمَ فَرَّقَ الْوَلَدُ" (ہائے بیٹے کی جدائی کا داغ) اُس کی یہ صدا سنتے ہی حضرت ابو بکر شبلی نے اپنا منہ اور سر پیٹ پیٹ کے چلانا شروع کیا "اَلْیَوْمَ فَرَّقَ الْوَلَدُ" (ہائے اُس و جدہ لا شریک کی جدائی کا داغ) ایک مرتبہ کسی کی زبان سے یہ شعر سُن پایا۔

اَسْأَلُ عَنْ سَلْسَلِیْ فَهَلْ مِنْ حُكْمٍ یَّکُونُ لَدُنْکُمْ لَهَا اَیْنَ تَنْزِلُ
 رطلی کو پوچھتے ہو: بھلا کوئی خبر دینے والا ہے جو جانتا ہوا اور بتائے کہ وہ کہاں جا کر ٹھہری گی؟
 آپ نے سنتے ہی ایک نعرہ مستانہ مارا۔ اور بولے خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی خبر دینے والا نہیں۔ اس شعر کا ہم آپ کی محویت اور ذوق و شوق کے بیان میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ وہاں یہ شعر مجنون عامری کا اور اُس میں معشوقہ نام لیلیٰ بتایا گیا ہے۔ اور یہاں شاعر کی معشوقہ سلمیٰ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں یہ ہے کہ کوئی صاحب باطن نے کو آتا تو حضرت ابو بکر شبلی خود ہی یہ شعر پڑھ کے کہا کرتے کہ کوئی بتا دینا نہیں۔ اور اس موقع پر یوں ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ شعر سُن کے آپ متاثر ہوئے۔ اور نعرہ مارا۔ وہاں یہ واقعہ امام یافعی کی کتاب مرآۃ الجنان سے لیا گیا تھا۔ اور یہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف سے۔ ممکن ہے کہ اختلاف روایت نے ایک ہی واقعہ کو دو طرح کے لباس پہنا دیے ہوں۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دو جدا جدا واقعے ہوں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی طرف سے فاختہ کو "کو کو کو" کرتے سنا۔ پلک کے اُس درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور اُس کی کو کو کا جواب "ہو ہو ہو" دینے لگے۔

دیر تک یہ حالت قائم رہی کہ اُدھر وہ کو کو گاد م بھر رہی ہے اور اُدھر یہ ہو ہو گاد م بھر رہے ہیں۔ گویا وہ پوچھتی ہے کہ "کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" اور یہ بتاتے ہیں کہ "وہ ہے" وہ ہے!"

ایک دن غنی کو گاتے سن کے عین حالت سماع میں بخود ہو کے زور و شور سے ایک نغمہ ماہر۔ لوگوں نے کیفیت پوچھی تو بجاے اس کے کہ کچھ بیان کریں مشہور شاعر عرب کثیر کا یہ جذب و ذوق عشق میں اُدھا ہوا شعر ٹپکا۔

لَوْ يَسْمَعُونَ كَلَامَهَا حَسْبُ الْهَرَّةِ سُرُكْهَا وَسَجْبُهَا
جس طرح میں نے اُس کی باتیں سنی ہیں اگر یہ سب لوگ سن پاتے تو غرہ زمیری معشوقہ کے آگے رکوع و سجود میں گر پڑتے۔

ایک دن کسی صاحب ذکر شخص کو یارب یارب ا کی رٹ لگاتے ہوئے دیکھا تو جوش میں آ کے چلا اٹھے کہ کب تک چلائے جائے گا۔ اُس کی بھی تو سن جو کہ رہا ہو۔ "عبدی عبدی!" وہ بھی خدا رس اور صاحب ذوق شخص تھا ان کا یہ اعتراض سُنکے بولا "اُسکی یہ صدا سن ہی کے تو میں یارب یارب کہ رہا ہوں" یہ جواب شافی سن کے خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا "تو اب تو معذور ہے!"

ایک مرتبہ مسجد میں اذان دی۔ جب شہادتین پر پہنچے تو اُٹھنا لالہ الا للہ کہہ کے کچھ ایسا جوش ہوا کہ فرمایا "اگر تو نے حکم نہ دیا ہوتا تو تیرے نام کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔ یعنی اُٹھنا محمد رسول اللہ نہ کہتا۔ یہ ہے سچا جوش توحید اور یہی شان حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے حج کے وقت نظر آئی تھی جب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دینے وقت

فرمایا تھا کہ "جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ اگر مہر رسول اللہ صائم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔"

ایک مرتبہ آپ نے کسی جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور بجائے چار کے پانچ تکبیریں کہیں۔ بعد سلام لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اور کہا "یہ تو آپ نے مینا مذہب ایجاد کیا ہے؟" فرمایا "چار تکبیریں تو مرسے پر تھیں۔ اور پانچویں جہان اور تمام اہل جہان پر۔" احمد بن مقاتل علی کہتے ہیں کہ مین ماہ مبارک رمضان میں ایک رات امام کے پیچھے شبلی کے برابر صف میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے تلامذت کرتے کرتے آئے کہ میں *وَكُنْ شَيْئًا لَكَ هَبْنِ بِالْكَذِبِ اَوْ حَيْثُ نَا الْاَيْتُ* "پڑھی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو دل محمدؐ ہم نے تم پر جو وحی بھیجی ہے اُسے واپس لے لیں۔ یہ آیت سنتے ہی شبلی نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں سمجھا اس چیخ کے ساتھ ہی اُن کی روح پرواز کر گئی۔ تھوڑی دیر بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ کاہنتے تھے اور بار بار کہتے تھے دوستوں سے یوں خطاب کیا جاتا ہے؟ تو پھر بھلا ہم ایسے لوگوں سے کیا خطاب ہو گا؟"

ایک دن ایک گیلی لکڑی جلتے دیکھی جس کے دوسرے سرے پر حسب معمول کچھ رطوبت ظاہر تھی۔ یہ دیکھتے ہی دُور جذب و جوش سے ان پر مستی کا عالم طاری ہو گیا اور اپنے حریص دل سے مخاطب ہو کے فرمایا "معیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ تمہاری دل آتش عشق سے لبریز ہیں۔ اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو پھر تمہاری آنکھوں سے آنسو کیون نہیں جاری ہوتے؟"

عبداللہ بن علی نام اُس دور کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ ایک لالت کو

مین اور شبلی ایک صحبت سماع میں شریک تھے۔ قوال نے کچھ گایا۔ اور شبلی نے اس دُر
 لغم سے متاثر ہو کے ایک نعرہ مارا۔ اور بیٹھے بیٹھے وجد و بخود کی حالت طاری ہوئی
 اب اور سب لوگ تو کھڑے ہوئے تھے مگر آپ بیٹھے تھے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے
 کہا "ابو بکر۔ یہ کیا کہ تمام اہل محل تو کھڑے ہیں۔ مگر آپ بیٹھے ہوئے ہیں؟" یہ بات
 سن کے اُنھ کھڑے ہوئے۔ مگر حالت مستی بدستور تھی اب آپ نے ابو نو اس کا شعر پڑھا۔
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ سَکَرًا نَّ وَ لَللّٰهُ مَآ نَ وَ اَحْسَدُ ۙ شَیْءٌ خَصِصْتَ بِہِ مِنْ نِّبَیْہِمْ وَ حُدِّیْ
 مجھے دو نشہ ہیں اور ہم صحبتوں کو ایک اور یہ ایسی بات ہے کہ ان سب میں
 سے صرف میرے ہی لیے مخصوص ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے بازار میں جا کے ڈیڑھ دانگ کو (جو اس عہد
 کا سب سے کم قیمت سکہ تھا) ایک پرانی گدڑی مول لی۔ (اور آدھے دانگ کی ایک
 ٹوپی لی۔ پھر ان دونوں چیزوں کو پہنا اور بازار میں کھڑے ہو کے آواز لگائی۔
 ایک صوفی کو دو دانگ پر کون مول لے گا؟"

آپ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن خراسانی سے عجیب حسرت و یاس کے پہچے
 میں پوچھا "بھلا شبلی کے سوا کبھی کسی اور کو بھی اللہ کتنے دیکھا ہے؟" وہ بھی بڑے پونچھے
 ہوئے بزرگ تھے۔ جواب دیا "میں نے تو ایک دن بھی شبلی کو اللہ کتنے نہیں سنا۔
 یہ سننا تھا کہ ان کی حالت دگرگون ہو گئی۔ اور غش کھا کے زمین پر گر پڑے۔"

ان حالتوں سے جن کی بدولت اُنہیں دنیا اور دُنیا داری کی چیزوں سے
 روز بروز دُشست ہوتی جاتی تھی۔ بعض اوقات متاثر ہو جاتے۔ اور خیال آجاتا کہ

اور بچو ٹاہنے تو خدا فرعون کی طرح اسے بھی غرق کر دے گا۔

آخر الامر آپ کا یہ مبارک جنون توحیدِ حد سے گزرنے لگا۔ چنانچہ ایک دہکتا ہوا انگارے کے جوش و خروش سے چلے۔ لوگوں نے پوچھا "کمان؟" کہا "جاتا ہوں کہہ کو جلا کے خاک کڑوں گا۔ تاکہ لوگ گھر کو چھوڑ کے گھر والے کی طرف توجہ کریں۔" دوسرے دن دیکھا تو ایک جلتی ہوئی ٹکٹی لیے ہوئے جا رہے ہیں جس کے دونوں سرے مشتعل تھے۔ پوچھا "حضرت کمان کا ارادہ ہے؟" ارشاد مندرمایا "جاتا ہوں بہشت اور دوزخ دونوں میں آگ لگا دوں گا۔ تاکہ بغیر ماسوی اللہ کے لالچ کے لوگ اس بابائت کی بندگی و پرستش کریں۔"

ان حاتون کے طاری رہنے اور کیفیاتِ عالم سے ہجرت و تنبیہ حاصل کرنے رہنے کی وجہ سے ایک یہ بات بھی ہو گئی تھی کہ جو لوگ لکھنے پڑھنے میں زیادہ نہمک رہتے ان پر بھی کبھی چوٹ کر جاتے۔ چنانچہ حسین بن احمد صفار کا بیان ہے کہ ایک دن میرے ہاتھ میں دو ات تھی۔ شبلی نے دیکھ کے کہا عَيْبٌ سَوَادٌ لِّكَفِّي سَوَادٌ قَلْبِي یعنی اپنی اس سیاہی کو سامنے سے ہٹاؤ مجھے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے۔ اسی طرح اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرمایا "إِنَّهُ أَطْلَأَ يُؤْنِفُ بِعِلْمِ الْوَرْقِ بِرِزْقِ عَلَيْهِ سَمِعُوا الْخُرْقِ" جب لوگ مجھ سے علمِ سفینہ طلب کرتے ہیں تو میں اُن کے سامنے گدڑیوں کا علم پیش کرتا ہوں۔

ان باتوں کو علمائے ظاہر نے بری نگاہ سے دیکھا۔ اور سخت معترض ہوئے۔

۱۳۴۔ مع تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۹۱۔ مع تلخیص ابلیس۔ تلخیص ابلیس علی الصوفیہ فی ظلال

علی من نشاغل بالعلم۔ للہ تلخیص ابلیس۔ تلخیص ابلیس علی الصوفیہ فی انکار ہم علی من تشاغل بالعلم۔

لیکن سچ یہ ہے کہ شبلی معذور ہیں۔ انھوں نے ابتدائے عمر میں جو کچھ پڑھا تھا اُس سے اب بہت کم تعاقب باقی تھا۔ اب جس مدرسہ باطن میں تعلیم ہوئی اُس کا دار و مدار کتابوں اور علمِ سفینہ پر نہ تھا۔ یہاں انھوں نے ریاضت کے ذریعہ سے دل کو صاف کیا اور کیسوئی و یکدلی پیدا کی۔ استغراق و وجد کی کیفیتیں اپنے اوپر طاری کیں اور ایسی استعداد و صلاحیت پیدا کر لی کہ سارا عالم اُن کی درسی کتاب تھا۔ جیسے وہ بغیر کسی معلم کی مدد کے پڑھتے۔ اُس کے انقلابات و حالات سے عبرت کا سبق لیتے۔ اور قنایت کے درجے پہنچنے کے آپ ہی آپ چھوٹنے لگتے۔ اب وہ خُلم خائے وحدت کے سیستون میں تھے۔ اور اُن کی زبان سے جو نکل جاتا گرفت اور اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ کامل خرقانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ”ابو بکر شبلی وہ ہیں کہ جو مست جیسے اور مست ہی مرے۔ اس لیے کہ میں نے عالم مکاشفہ میں اُنھیں دیکھا کہ ہوا میں رقص کر رہے ہیں“

ذوق سخن۔ اور آپ کی شاعری

فی الحال مشرقی شاعری کا نہ بردست عنصر تصوف ہے۔ عام قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ جو شاعر ہوتا ہے وہ صوفی بھی ہوتا ہے۔ حضراتِ شیعہ تصوف سے بہت علیحدہ ہیں۔ اور تصوفین کے خیالات و عقائد کی زور و شور کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ مگر شاعری کی دنیا میں آکے ہم شیعوں کو بھی صوفی پاتے ہیں۔ لیکن اُس ابتدائی و درمیان جب کہ حضرت جنید بغدادی تصوف کی اشاعت اور علوم باطن کی تعلیم

دے رہے تھے شاعری اور تصوف میں اتنا لزوم نہ تھا جتنا کہ اب ہے۔ بزرگانِ عقیدہ میں سے ہمیں سب سے پہلے شخص حضرت ابو بکر شبلی ہی نظر آتے ہیں جنہوں نے شاعری سے اپنی تعلیمات میں کام لیا۔ اور جو اپنے خدا پرستی و خدا شناسی کے جوش و جذبات کو اکثر اوقات اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ خدا نے انھیں طبیعت بھی ایسی عطا فرمائی تھی جو شاعری کے لیے نہایت ہی موزون و مناسب تھی۔ اُن کے واقعات بتاتے ہیں کہ اگرچہ جذبات و حدت و مست اور دریائے عرفان میں غرق تھے مگر شعر و سخن میں پورا ذوق رکھتے تھے اور بات بات پر اُن کی زبان سے شعر نکلتے تھے جو کبھی خود اُن کے ہوتے اور کبھی مشہور شعرائے عرب کے۔

حضرت جنید کو بالذات شاعری سے کچھ زیادہ اُنس نہ تھا۔ مگر حضرت ابو بکر شبلی کا ذوقِ مددِ آئی کی طالبِ سلی ہی کے زمانے میں کبھی کبھی خدا شناسی شیخ کو بھی شعر سے کام لینے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ہم حضرت جنید بغدادی کے حالات میں بھی بیان کر چکے ہیں اور اس رسالے میں بھی ”پیر اور مرید“ کی بحث میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایک دن مستانہ وضع و حالت سے آکے ابو بکر شبلی نے حضرت جنیدؒ کے سامنے تین شعر پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ
 حَبِیْبُ وَفِی الْوَصَالِ وَالْوَصْلُ عَذَابُ
 اُن کو سن کے باوجود یکے حضرت جنیدؒ کی زبان سے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی شعر سُنا جاتا تھا اگر انھیں سننے بھی شاکر و درخیر کے جوش سے مجبور ہو کے ایک شعر پڑھ دیا۔

اس موقع کے علاوہ دیگر موقعوں پر آپ وقتاً فوقتاً جو اشعار زبان فیضِ زحمان سے ظاہر فرماتے رنگ اور جوش میں ڈوبے ہوئے کے علاوہ آپ کا اعلیٰ کمال شاعری و سخن بھی ثابت کر رہے ہیں صرف اردو و فارسی جانتے والوں کے لیے عربی اشعار بہت غیر نایاب ہیں۔ اور شاید بعض حضرات اسے نہ پسند کرتے ہوں گے کہ اس رسالے میں آپ کے عربی اشعار بھی نقل کر دیے جائیں۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ بغیر ان کے یہ کتاب جو آپ کے سوانحِ عمری کے بیان میں ہے ناقص اور ناقص رہے گی۔ اور جبکہ ہم شہر کے بچے اُس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں تو پھر کوئی شکایت کا محل نہیں۔ ان اشعار سے اگر اردو دان حضرات آپ کے کمال شاعری کو نہ سمجھ سکیں تو آپ کے خیالات و جذبات کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور کر سکیں گے۔

--- ظاہری کتے ہیں کہ شیخ شبلی نے مجھے اپنے یہ دو شعر سنائے۔

مَقَّتِ الدَّيْنِيَّةُ وَالْحَبِيبِيَّةُ فَأَبْرَأَ دَمْعَانِ فِي الْأَجْفَانِ يَزِيدُ حَسَنًا
یوانی بھی رخصت ہوئی اور معشوقہ بھی تو پلکوں میں دو آنسو ایک دوسرے کے معارض ہوئے۔ اور نکلنے کے لیے ہجوم کرنے لگے۔

مَا أَصْفَقَتْنِي الْحَادِثَاتُ رَهْمِيكَنِي مَوَدَّةَ عَيْنٍ وَلَيْسَ بِهَ قَلْبَانِ
حوادثِ زمانہ نے میرے حق میں انصاف نہیں کیا کہ دو دو کے رخصت کرنے پر مجبور کیا حالانکہ میرے پاس دل ایک ہی ہے دونوں میں۔

بعض لوگوں نے حضرت ابو بکر شبلی کو عالم و جبرمین دیکھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور رستہ دار یہ اشعار پڑھ رہے ہیں۔

شَقَقْتُ جِلْبِي عَلَيْكَ شَقَا وَمَا جِلْبِي عَلَيْكَ حَقَا

میں نے اپنے گریبان کو بھاڑ ڈالا حالانکہ گریبان کا بھیر کوئی حق نہ تھا۔ یعنی اُسے کچھ تعلق نہ تھا۔

أَرَدْتُ قَلْبِي فَصَادَفْتُهُ يَدَايَ بِالْجَيْبِ إِذْ كَوْنِي

میں نے تو دل ہی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا تھا مگر گریبان نے ہاتھ کو روکا اور پھٹ گیا۔

لَوْ كَانَ قَلْبِي مَكَانَ جِلْبِي لَكَانَ لِلشَّقِّ مُتَحَمًّا

اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل بیٹھا ہوتا تو وہ بے شک چاک ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ یہ دو شعر حضرت ابو بکر شبلی کے ہیں۔ کیا نازک خیالی اور دقیقہ سنجی ہے۔

إِنَّ صُورَتَ الْحُبِّ مِنْ أَلَمِ الشَّوْقِ وَخَوْفِ الْفِرَاقِ يُؤْهِرُ عَيْنَا

عاشق کا عشق کی تکلیف اور فراق کے دھڑکے میں چلا نابے وفائی ظاہر کرتا ہے۔

صَابِرًا الصَّبْرُ بِإِسْنَادِ الصَّبْرِ وَصَاحَ الْحُبِّ بِالصَّبْرِ صَبْرًا

صبر پر صبر کر (تو اس صبر سے کیا ہوا کہ) خود صبر پناہ مانگنے لگا۔ اور عاشق نے صبر سے دانٹ کے کہا کہ صبر کر۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صحبت میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذکر و رویت باری کے نازک سائل باطن کو کس خوبی و وضاحت سے بتایا ہے۔ اور کتنی اچھی تسلیم ہے۔

ذَكَرْتُكَ لَا أُنِي تَسْنِيَتُكَ لِحَقَّةٍ وَأَيْسَرُ مَا فِي الذِّكْرِ كُؤُسَانِي

میں نے تجھے یاد کیا اس طرح نہیں کہ ایک لحظہ کے لیے بھی بھولا ہوں اور یاد کرنے میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی زبان سے یاد کروں۔

وَكُنْتُ بِكَ وَجْهًا مَوْتٌ مِنَ الْهَوَىٰ وَهَامٌ عَلَى الْقَلْبِ سِبْ الْخَفَقَانِ
اگر عالم وجدہ طارنی ہوتا تو میں عشق میں مرجاتا مگر دل نے مجھ میں جوش عشق کا خفقان پیدا کر دیا۔

فَلَمَّا أَرَانِي الْوَجْدَ أَنَّكَ حَاضِرٌ شَهِدْتُكَ مَوْجُودًا بِكُلِّ مَكَانٍ
پھر جب وجد نے مجھے دکھایا کہ تو میرے سامنے موجود ہے اُس وقت تو مجھے ہر جگہ موجود نظر کرتا۔

فَخَاطَبْتُ مَوْجُودًا بَعِيرًا كَثِيرٌ وَلَا حَظُّتُ مَعْلُومًا بَعِيرًا عَيَانٍ
اور میں نے اُس موجود (مطلق) سے خطاب کیا بغیر اس کے کہ گفتگو ہو۔ اور اُس معلوم (مطلق) کو دیکھا بغیر اس کے کہ وہ سامنے ہو۔

ابو بکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں بیان کیا ہے کہ ایک دن ابو الحسن یحییٰ حضرت ابو بکر شبلی کے گھر میں گئے تو دیکھا کہ جوش میں آ آ کے وہ یہ اشعار پڑھ رہے ہیں
عَلَى بَعْدِكَ لَا يَصْنَعُ مَنْ عَادَتُهُ الْقُدْبُ
میرے فراق میں وہ شخص صبر نہیں کر سکتا جسے پاس رہتے (وصل) کی عادت نہ ہوئی ہے۔

وَلَا يَقْوِي عَلَى هَيْبَتِكَ مَنْ سَيَّرَهُ الْحُبُّ
اور ہتھیار برداشت کرنے کی وہ شخص قوت نہیں رکھتا جسے سبیل و خوار کر دیا ہو۔

فَإِنْ لَمْ تَرَكَ الْعَيْنُ فَقَدْ يَبْصُرُكَ الْقَلْبُ
تو اگر تجھے آنکھ نہیں دیکھتی تو دل دیکھ رہا ہے۔
یہ دونوں شعر بھی آپ ہی کی جانب منسوب ہیں۔

شَرُّ مَنِ ذُو قُرْبَىٰ فَهُوَ مُسْرِمٌ وَأَقْنِئَتِي عَنِّي فَعَدْتُ حُبَّ رَدَا
میرا وقت تیری ذات میں پہنچ کے ابدی ہو گیا۔ لہذا وہ سرمدی ہے۔ اور
تو نے مجھے خود اپنے سے قنکر دیا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی مجرد پھر ہو گیا۔
لَعَزَّابُ أَرْأَىٰ قَاتِلَهُ ثُمَّ رَعِبَ بَنِي قَصْرَتِ عَرِيَّا فِي الْبَوَّيَّةِ أَوْ حَبَلَا
میرا معاملہ تھی قسم کا ہو گیا تو میں اپنی غزبت (نذرت) کے لحاظ سے بیکتا ہو گیا۔
اور صحرا میں غریب و خائف ہو گیا۔

اکثر آپ کہا کرتے تھے خداوند اکاش یہ معلوم ہوتا کہ تیرے نزدیک میرا کیا نام
ہے۔ میرے ماتم تو کیا کرنے والا ہے؟ اور میرے عمل کا خاتمہ کس چیز پر کرے گا؟
پھر یہ اشارہ پڑھتے۔

لَيْتَ شَأْنُ خِرٍّ كَيْفَ ذَكَرُوا عِنْدَ مَنْ يَعْلَمُ سِرِّي
مجھے کاش معلوم ہوتا کہ وہ جو میرے بھید و ن کو جانتا ہے اُس کے وہاں میرا
کس طرح ذکر آتا ہے؟

أَمْ حَبِيبٌ أَمْ قَبِيحٌ أَمْ مَجْنُونٌ أَمْ هَيَّاسٌ
اچھا یا بُرا۔ بھلائی سے یا بُرائی سے۔
لَيْتَ مَشْهُوفٌ كَيْفَ حَالِي بَيْتِي أَمْ يَكْفُرُ
میرا حال کیا ہے؟ میرا گھر کیا ہے؟

کاش معلوم ہوتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ موت کے دن اور قیامت کے دن؟۔

کَيْتَ شَعْرِي كَيْفَ مَوْتِي بِقِيَمِي أَمْ بِصُمْرِي

کاش معلوم ہوتا کہ میری موت کیسی ہوگی یقین (ایمان) پر یا کفر پر؟۔

أَوَّلِي يُقْبَلُ قَوْلِي أَمْ تَوَلَّى يَشْجَحُ صَدْرِي

کیا تمہاری رائے ہے کہ میرے کہنے کو وہ قبول کرے گا؟۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے

کہ میرے سینے کو وہ کھول دے گا؟۔

كَيْتَ شَعْرِي كَيْفَ أَمْطِي بِنَعِيرِي أَوْ بِجَمْرِ

کاش میں جانتا ہوتا کہ کہاں جاؤں گا۔ جنت میں یا دوزخ میں؟۔

فَلَا عَوَامِدَ حَيٍّ وَوَحْشَةٍ قَانَا أَعْدِيَتْ قَدْرِي

تو تم میری تعریف اور ثنا و صفت چھوڑ دو کیونکہ اپنی قدر میں ہی خوب جانتا ہوں۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن ابی ذہل خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایک دن

میرے سامنے کسی شخص نے شیخ ابو بکر شبلی سے پوچھا کہ اُس شخص کی نسبت آپ کیا کہیں گے

کہ کسی کلام کا مطلب تو نہیں سمجھا مگر اُس کے اُس شخص کو حال آگیا۔ اور بے سمجھے اُس پر

وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے جواب میں شبلی نے یہ اشعار پڑھے جو مشہور عاشق

عرب مجنون عامری کے ہیں۔

مُرَيْتُ فَوَدَّاهُ هَتُونِي بِالْمُصْبَحِ ذَاتِ شَجْوَصَدِ حُسْنِي فَنَن

ایک کبوتری جو کچھ دن چڑھتے بول رہی ہے اسکی آواز میں درد ہے اور توجہ میں

سے آواز دیتی ہے۔

ذَكَرْتُ الْفَاوْذَ وَهَرَّاسًا لِنَا فَبَكَتْ حُزْنًا فَمَا جَثَّ حُرْنِي
 اُس نے کسی محبت اور کسی اگلے زمانے کو یاد کیا تو غم سے روئی اور میرے
 غم کو حرکت دے دی۔

فَبُكَاتِي سُرْبًا أَسْرَقَهَا وَبُكَاهَا سَرَبًا أَسْرَقَنِي
 تو میرے رونے نے کبھی اُس کا دل رقیق کر دیا۔ اور اُس کے رونے نے
 کبھی میرا دل مستیق کر دیا۔

وَلَقَدْ تَشَكَّرْتُ فَمَا أَفْهَمُهَا وَلَقَدْ أَشْكُو فَمَا تَفْهَمُنِي
 وہ شکایت کرتی ہے اور میں اُسکی زبان نہیں سمجھتا اور میں شکایت کرتا ہوں
 اور وہ میری زبان نہیں سمجھتی۔

غَيْرَ أَنِّي بِالْجَوْفِ أَحْبَبْتُهَا وَهِيَ أَيْضًا بِالْجَوْفِ أَحْبَبْتَنِي
 سو اس کے کہ سوزش عشق سے میں اُسے پہچانتا ہوں اور اُسی سوزش عشق
 سے وہ بھی مجھے پہچانتی ہے۔

يَهْدُونَنِي شِعْرُ بَيْتِ أَبِي بَرْثِيلَ كِي زَبَانُ سُنَّيْ لَيْ - اَوْرَغَالِيَا نَحِينُ كَيْنِ
 يَا أَيُّهَا السَّيِّدُ الْكَرِيمُ حُبُّكَ بَيْنَ الْحُسْنَى مُقِيمٌ
 اے سرور اکرم۔ تیری محبت میری سینه کے اندر ٹھہری ہوئی ہے۔

يَا دَافِعَ النَّوْمِ عَنِ جَفَوْنِي أَنْتَ بِنَامَرٍ بِي عَلِيمٌ
 اے میری پلکوں سے نیند غائب کرنے والے۔ مجھ پر جو کچھ گزری اُسے
 تو جانتا ہے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حق کو جاہلات کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہا وہ مقصد سے دور ہے۔ اور جس نے اُسے اُسی کے ذریعے سے طلب کیا اُسے وہ مل گیا۔ اور یہ فرما کے یہ دو شعر پڑھ دیتے۔

إِنَّهَا الْمَنْجَى الْثَرِيَّا سَهْلًا عَمَرَكَ اللَّهُ كَيْفَ يَجْعَلُ عَادَ

اے ثریا (ایک مشہور خاتون ثریا بنت علی بن عبد اللہ بن الحارث) کا نکاح سہل (سہل بن عبد الرحمن بن عوف زہری) کے ساتھ کرانے والے خلیفہ بڑی عمر کرے کیونکہ یہ دونوں جمع ہوں گے۔

هِيَ شَامِيَةٌ إِذَا مَا اسْتَهْلَتْ وَسُهَيْلٌ إِذَا مَا اسْتَهْلَ يَمَانِي

یہ (ثریا) جب طلوع کرے تو شامیہ ہوتی ہے۔ اور سہیل جب طالع ہوتا ہے یمانی ہوتا ہے۔

یہ مشہور شاعر عمرو بن ربیعہ مخزومی کے اشعار ہیں وہ ثریا اور سہل (مذکورین) کا عقد ہونے کی تعریف کرتا ہے۔ اور اُن دونوں کو آسمان کے ثریا و سہیل سے تعبیر کر کے کہتا ہے کہ قاضی صاحب آپ نے یہ کیا معجزہ دکھا دیا کہ ثریا اور سہیل کا قرآن پیدا کر دیا حالانکہ ثریا (ستارہ) شام کی طرف طلوع کرتا ہے اور سہیل یمن میں۔

ایک شخص نے حضرت شبلی کے حلقہ ذوق میں شریک ہونے کے اور سنانے سے کھڑے ہو کے پوچھا "حضرت آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ صحت و جوہر کے اعتبار سے صاحبانِ وحید پر ظاہر ہوں؟" فرمایا "ہاں۔ ایک نور نمایان ہوتا ہے جسکی حالت آتش

شوق سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اور انسانی ہیکلون (جسمون) پر اس کے آثار چکنے لگتے ہیں۔ جیسے کہ ابن المعتز نے کہا ہے۔

وَأَمْطَرَ الْكَاسُ مَاءً مِنْ بَارِقِهَا فَأَنْبَتَ الدُّرُّ فِي أَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ
جام میں صراحیوں سے ایک مینہ برسا جس نے سونے کی زمین (سطح جام) میں موتی اُگادے۔

وَسُبَّحَ الْيَوْمَ لِمَا أَنْ سَاءَ وَالْعَجَبُ نُورًا مِنَ الْمَاءِ فِي نَارٍ مِنَ الْعَنْبِ
اور لوگوں نے جب پانی کا ایک نور انگور کی آگ میں چمکتے دیکھا تو تعجب ہو ہو کے سبھاں اللہ کر اٹھے۔

سَلَاةٌ وَرَشَقَاعٌ كَتَبَ رَأْسَهُ كَانَتْ ذَخِيرَةٌ كُتِبَ عَنْ نَابِغٍ
آب انگور جس کے قوم عاد والے باغ ارم سے وارث ہوئے ہیں اور جو کسریٰ کے وہاں آیا و اجداد سے امانت چلا آتا تھا۔

ایک دن نماز عصر پڑھنا بھول گئے۔ اور وقت آخر ہو گیا۔ جیسے ہی خیال آیا اٹھ کے نماز پڑھی اور سنہس کے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

سَيِّئْتُ إِلَيْهِمْ مِنْ عَشِيَّةٍ صَلَاحِي فَلَا أَذْهَبُ عِشَائِي مِنْ غَدَائِي
اپنے عشق کی دُھن میں آج میں نماز ہی بھول گیا۔ اب تو مجھے صبح و شام کافرق بھی نہیں معلوم ہوتا۔

ایک مرتبہ کسی نے حاضر خدمت ہو کے عرض کیا کہ میرے حق میں دُعا فرمائیے۔
جواب میں بہ شعر پڑھ دیا۔

مَقَى زَمَنٍ وَالتَّاسُ يَتَشَفَعُونَ بِنَبِيِّهِ
وہ زمانہ گزر گیا جب لوگ بھر سے سفارشیں اٹھوا کرتے تھے۔ اب تو کوئی
ایسا بھی ہر جہاں نہیں ملے گا کہ پاس جا کے میری سفارش کر دے۔

ایک مرتبہ عالم وجد و حال میں ابو نواس کا یہ شعر پڑھا تھا جسے ہم پہلے نقل
کر چکے ہیں اور اب پھر اُس کا اعادہ کرتے ہیں۔

لِيَسْكُرَ مَا نَزَلَ لَنَا وَاحِدٌ شَيْءٌ خَصَّصْتَ بِهِ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحَدٌ

مجھے دو نشہ ہیں اور حریفان صحبت کو صرف ایک یہ ایک ایسی چیز ہے جسے
یہ ان میں سے ایک یا میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

لوگوں نے کسی موقع پر کہا کہ آپ موٹے تازے نظر آتے ہیں۔ لیکن جس محبت
کا آپ کو دعویٰ ہے اُس کا یہ تقاضا تھا کہ آپ ڈبے ہوئے۔ فرمایا۔

أَحَبُّ قَلْبِي وَمَا أَدْرِي بَدَلِي وَكَوَادِرُ مَا أَقَامَ فِي السَّمَاءِ
میرا دل محبت میں مبتلا ہوا۔ اور بدن کو خبر نہ ہوئی۔ اور اگر خبر ہوتی تو مژدہ تیار
ابو محمد ہر وی کا بیان ہے کہ جس رات حضرت ابو بکر شبلی کا انتقال ہوا ہے
ساری رات وہ ہی دو شعر پڑھتے رہے۔

كُلُّ بَلِيَّةٍ أَنْتَ سَاكِنُهَا غَيْرُ مَحْتَأَجٍّ إِلَى السُّجُجِ

ہر مکران جس کا رہنے والا تو ہو اُس میں چراغ روشن کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَجَهْلُكَ الْعَامِلُ حُجَّتُنَا يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالسَّحَابِ

تیرا چہرہ جو لوگوں کی امید گاہ ہے باری دلیل ہو گا جس دن کہ لوگ اپنی

اپنی دلیلیں لاکے پیش کریں گے۔ یہی خیال فارسی میں کس خوبی سے ادا کیا گیا ہو۔
 روزِ قیامت ہر کسے در دست گیر نامہ! من نیز حاضرے شوم تصویر جانانِ لبّ
 آخر عمر میں اکثر شعر بھی آپ کی زبان فیضِ ترجمان پر جاری رہتا تھا۔
 وَكَمْ مِنْ مَوْضِعٍ لَوْ مِتَّ فِيهِ لَكُنْتُ بِهِ نِكَالًا الْعَسْتَرِيَّةِ
 اور کتنی جگہیں ہیں کہ اگر میں اُن میں مرجاؤں تو وہاں والوں کے حق
 میں ایک عذاب ہو جاؤں۔

جیکے ترغ کا عالم طاری تھا لوگوں نے کہا کیے ”لا الہ الا اللہ“ فرمایا۔
 قَالَ سُلْطَانٌ مُجِبًّا اَنَا لَا اَقْبَلُ لَوْ شَاءَ فَسَلُّوْهُ بِحَقِّهِ لِمَرِّقَتْلِي خَيْرًا شَاءَ
 اُس کی محبت کے سلطان نے کہا کہ میں رشوت نہیں قبول کرتا تو اُس کے
 حق کا واسطہ دلا کہ اُس سے پوچھو کہ پھر میرے قتل کے بارے میں کیوں لوگوں کے کہنے
 میں آگیا۔

شاید تتبع اور جستجو سے آپ کے اور اشعار یا آپ کے مذاق شعر خوانی کے
 اور نمونے نظر آجائیں مگر اس قدر بہت کافی ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ
 آپ کا مذاق شاعرانہ کس قدر کھلے اور لطیف تھا۔ اور کیسے صحیح حل پر
 آپ اشعار کو کام میں لاتے تھے۔ کیا عجب کہ تصوف میں شاعری کی چاشنی بنیاد
 اور شاعری کو تصوف کا خلعت شاہانہ پہنا دینا آپ ہی کا ایجاد ہو۔ لیکن ایسا دعویٰ
 کرنے کے لیے ابھی ہم تیار نہیں ہیں۔

آپ کے سفر

امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی حالتیں جداگانہ رہی ہیں۔ انہیں سے بعض بزرگ اول سے آخر تک مقیم ہی رہے۔ اور اپنے کنج عزالت کو چھوڑ کے منزل سفر میں کبھی قدم نہ رکھا۔ جیسے حضرات جلیل القدر اویسیؓ۔ سہیل بن عبداللہؓ۔ یاسطامیؓ اور ابو جعفر صداد وغیرہم۔ بعضوں نے سفر اختیار کیا۔ ساری زندگی غریب الوطنی کی تذکرہ کر دی۔ اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی سیاحت ہی میں تھے۔ جیسے ابو عبداللہ مغربی۔ ابراہیم بن ادہم وغیرہما۔ بہنوں کی یہ حالت رہی کہ ابتدائے حال میں مشغول سیاحت ہوئے۔ بہت سے سفر کیے۔ اور اُس کے بعد ایک جگہ پاؤں ٹوڑ کے بیٹھ گئے۔ جیسے ابو عثمان حیری۔ اور ابو بکر شبلی وغیرہما۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زندگی ابتدائے سفر میں گذری۔ اور آخر عمر میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ لیکن افسوس کہ آپ کی سیرت لکھنے والوں نے آپ کے حالات سفر بیان کرنے میں نہایت بے پروائی اور کوتاہ قلمی سے کام لیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ نے ایک ہی نہیں متعدد سفر حج کیے ہوں گے لیکن کتب سیر سے آپ کا ایک دفعہ حج کرنا بھی نہیں ثابت ہوتا۔ ہاں محاضرات کی ایک مشہور کتاب میں البتہ آپ کے حالات زندگی کے تذکرہ میں یہ واقعہ نظر پڑا کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ ورنہ سے جیسے ہی مکہ منظم کی عمارت نظر آئی ذوق و شوق کا ایسا ہیجان ہوا کہ غش کھا کے گر پڑے۔ اور جب وہیں آیا

تو زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

هَذَا دَاوُهُمْ وَأَنْتَ مُحِبٌّ مَا بَقَاءُ الدُّمُوحِ فِي الْأَمَاقِ

یہ اُن کا مکان ہوا اور تو عاشق ہے۔ پھر یہ آنسوؤں کا آنکھوں میں باقی ہنا کیسا؟
ہمارے سابقہ بیانون سے معلوم ہو چکا ہے کہ تصوف کے مدرسہ روحانی میں آنے
سے پہلے آپ ہنا وند کے والی اور حاکم تھے۔ لہذا اُس زمانے کو بھی سفر کا زمانہ خیال کرنا
چاہیے۔ کیونکہ وطن سترتن راسی تھا حکومت علاقہ جیل کی۔ مگر اُس سفر کو اُس قسم کی
غریب الوطنی سے کوئی علاقہ نہیں جو بقول علاقہ قشیری کے اہل باطن کی ریاضت
اور ایک قسم کی شان ولایت ہے۔

ہاں اُس کے چند روز بعد جب آپ حضرت جنیدؒ کی خانقاہ فیض میں پہنچے
اور اُنھوں نے فرمایا کہ تم ایک صوبہ کے حاکم رہ چکے ہو اور خدا کی مخلوق کا ایک
بڑا حصہ تمھارے زیر دست رہ چکا ہے پتلے وہاں جا کے ہر اُس شخص سے جو تمھارے
زیر حکومت رہا ہو معافی چاہو اور حق العباد سے سیکاری حاصل کرو اس وقت
آپ کا پہلا سفر ولایت شروع ہوا۔ افسوس ہمیں آپ کے اس سفر کے بھی تفصیلی حالات
نہیں معلوم لیکن خیال سے مدد لیا جائے تو نظر آجاتا ہے کہ آپ کس طرح گاؤں
گاؤں پھرے ہوں گے۔ ایک ایک دروازے پر گئے ہوں گے اور اُن
لوگوں کے سامنے جو کل تک حلقہ گوش امارت تھے سرعجز جھکایا ہوگا۔ اور کمال
عفو و تقصیر کی خواہش کی ہوگی جنھوں نے اپنا کچھ حق بتایا ہوگا اُن کا حق ادا کر لینی
کوشش کی ہوگی! اور چند وزین سیکار و سبکہ دہش ہو کے دل پر سے حق العباد کا با

اُمار کے ہلکے مٹھن اور شگفتہ خاطر حضرت شیخ کی خدمت میں واپس لے ہوئے۔
لیکن ابھی سفر کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ سرکش نفس کا غرور توڑنے کے لیے
دربار شیخ سے اور ریاضتیں بھی بتائی گئی تھیں جن میں سے دو سال گدائی و
دیوڑہ گری کرنا تھا۔ اس زمانے کو بھی سفر ہی میں شامل سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ کسی
جگہ قیام کیا اور شب و روز پھرتے اور ادھر ادھر گشت ہی لگاتے رہے۔ غالباً
آپ کے یہی سفر ہیں جن کی بنا پر اہل سیر کہتے ہیں کہ آپ کا ابتدائی زمانہ سفر میں بسر ہوا۔
آپ کی زندگی میں دو ایک واقعات اور بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جن سے
ضمنی طور پر آپ کے سفر اور بادیہ گردی و دشت نوردی کا پتہ لگتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادیہ عرب میں آپ دشت نوردی کرتے ہوئے تھے
کہ ایک قبرستان پر گزر ہوا۔ جہاں دیکھا کہ ایک شخص روتا ہوا بار آسمان کی طرف سر
اٹھا کے دیکھتا۔ پھر زمین پر گال رگڑتا ہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہے۔ دل میں
آئی کہ اس سے جل کے ملنا چاہیے۔ چنانچہ راستہ چھوڑ کے اُسکی طرف چلے۔ اُس نے جو
آئے دیکھا تو اُنٹھ کے آگے روانہ ہوا۔ آپ نے قدم تیز کیے تو وہ زور سے بھاگنے لگا۔
آخر آپ نے تنگ آ کے آواز دی کہ ”اے ولی اللہ۔ بندہ ٹھہریے۔“ اُس نے دور ہی سے
جواب دیا کہ ”نہیں“ آپ نے قسم دلائی۔ لیکن اُس نے اب بھی نہ مانا۔ تب آپ نے کہا اچھا
اگر پاس نہیں آتے تو اپنی سچائی کا ثبوت دو۔ یہ سُننے ہی اُس نے تین بار اللہ اللہ
اللہ کا نعرہ بلند کیا اور دم سے گر پڑا۔ قریب جا کے دیکھا تو تنہا تھا اور روح
مفارقت کو چلی تھی۔ اب آپ کو فکر ہوئی کہ اس خدا رسیدہ شخص کی تجہیز و تکفین کا انتظام
کرنا چاہیے۔ اُس قبرستان سے نکل کے ایک قبیلہ عرب کے پڑاؤ میں تشریف لے گئے۔

اُن سے اس فرض کھائی کے متعلق مدد حاصل کی۔ اور واپس آئے۔ لیکن بیان کے جو دیکھتے ہیں تو لاش غائب ہے۔ متحیر و پریشان کھڑے تھے کہ ملہم عیب نے آواز دی بلائکہ نے اُسکی تجنیز و تکفین کر دی۔ تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جا کے عبادت کر۔ صدقہ و خیرات دے اور اپنے کام سے لگ۔ کیونکہ انھیں افعال کی بدولت بس مرحوم شخص نے یہ مرتبہ پایا۔ اب آپ زیادہ حیران ہوئے کہ یہ کون شخص تھا؟ اور اُس کے کیا حالات تھے؟ چنانچہ ان سوالات کو یاد آواز بند اُس منادی عیب کے سامنے پیش کیا جواب ملا کہ ”یہ شخص ابتدائے عمر میں نہایت ہی گنگناڑیہ کار تھا۔ فسق و فجور اور زمانیں مبتلا تھا۔ لیکن بارہ برس کا زمانہ گزر ا کہ ایک خواب سے متنبہ ہو کے توبہ کی اور متقی و پرہیزگار بن گیا۔ کل کے دن اتفاقاً ایک سائل نے اس سے سوال کیا۔ جسے اس نے اپنے کپڑے اتار دیے۔ سائل نے خوش ہو دُعادی کہ خدا تیری مغفرت کرے۔ وہ دُعادانے قبول کر لی اور اسے یہ رتبہ عطا ہوا کہ فرشتوں نے تجنیز و تکفین کی۔“

اسی طرح کا ایک وہ واقعہ سفر بھی ہے جسے ہم بیان کر آئے ہیں کہ اکل حلال کھانے کا عہد کیا تھا۔ جنگل بیابان میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور بھوک لگی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک انجیر کا درخت نظر آیا۔ ہاتھ بڑھایا کہ کچھ پھل توڑ کے کھائیں کہ خود اُس درخت نے آواز دی ”اپنے عہد کو نہ توڑو۔ اور میرا پھل کھانے کا ارادہ نہ کرو۔ کیونکہ میں ایک یہودی کی ملکیت ہوں۔“ ادیب کی بعض کتابوں میں حضرت شیخ ابو یوسف شیلی ہی کی زبانی ایک بڑا

طولانی قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کے دوا و بر سفرون کا تہ چلتا ہے۔
 اُس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالسلام بغداد میں ابو عبد اللہ اندلسی نام
 ایک بڑے صاحب علم و فضل ولی اللہ تھے۔ جو قرآن مجید کی تمام قرأتوں سے وقت
 اور ۳ ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ وہ ایک مرتبہ معتقدین اور اہل باطل احباب
 کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر کو نکلا۔ ہمراہیوں میں جنید بغدادی اور
 شیخ ابو بکر شبلی بھی تھے۔ ارض شام کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے انھوں نے
 مسیحیوں کی صنم پرستی دیکھی۔ اور انھیں ذلت کی نظر سے دیکھا۔ اسی اثنا میں کسی
 کنوین پر رئیس قریہ کی پری جمال لڑکی پر جو رومی الاصل تھی نظر پڑی اور عاشق
 ہو گئے۔ کل ہمراہیوں کو چھوڑ کے اور سب کو واپس کر کے شادی کا پیام دیا۔
 جواب ملا کہ جسے اس نازنین کی آرزو ہو دین مسیحی اختیار کرے۔ گر جون کی
 خدمت کرے۔ اور سوچرائے۔ ابو عبد اللہ موصوف نے سب شرطیں منظور
 کر لیں۔ اور عیسائی ہو کے سوچرائے لگے۔

ایک زمانے کے بعد شیخ ابو بکر شبلی شیخ موصوف کے چند مریدوں کے ساتھ
 پھر اُس گاؤں میں پہنچے اور انھیں اس اتر حالت میں پایا کہ دین سے
 محسوس نہیں۔ قرآن و حدیث بھول گئے۔ علم و فضل رخصت ہو گیا۔ اور عیسائیوں
 کی ٹوپی پہنے ہوئے سوچرا رہے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو
 ضلالت و گمراہی میں۔ حمت الہی سے دور۔ کفر و شرک میں مبتلا۔ اور عبرت
 روزگار باور کرتے ہیں۔ ان سب لوگوں نے دایسی کی درخواست کی تو انھوں نے
 کہا خدا کو جو کچھ منظور ہے وہی ہوگا۔ تم اس میں دخل نہ دو۔ اور اپنی حالت یرغنے۔

حضرت ابو بکر شبلی مع اپنے ہمراہیوں کے واپس روانہ ہوئے تو شیخ ابو عبد اللہ اندلسی نے درگاہ باری تعالیٰ میں دعا کی جو قبول ہوئی۔ اور نورایمان سینہ میں چمکا۔ آ کے تیسرے دن حضرت ابو بکر شبلی سے مل گئے غسل کر کے پاک کپڑے پہنے۔ عبادت کی۔ اور پھر ان میں وہی اگلا ہا علم و فضل اور زہد و تقویٰ موجود تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ مسیحیوں کی صنم پرستی دیکھ کے میرے دل میں غرور اور خود پرستی کا خیال پیدا ہو گیا تھا اُسی کی جگہ یہ سرائی کہ اُنھیں کفہ میں تہلکا لیا گیا۔ اس کے بعد وہ بغداد میں واپس آ کے اپنی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ اور پھر وہی ذوق و شوق اور عبادت و ریاضت کی صحبتیں قائم ہو گئیں۔

اُن کو واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ ایک دن کسی نے دروازے پر دستک دی حضرت ابو بکر شبلی نے جو اُس وقت صحبت میں موجود تھے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی کھڑی ہے اور کہتی ہے کہ شیخ سے کہو جس لڑکی کو آپ فلان گاؤں میں چھوڑ آئے تھے حاضر ہو۔ اُس کے آنے کا حال سن کے شیخ ابو عبد اللہ اندلسی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ بوا کے حال پوچھا تو بولے کہا کہ آپ کے چلے آنے کے بعد میری بیٹی ابی اور اُلجھن بڑھی۔ ایک محترم پیر مرنے خواب میں آ کے ہدایت کی کہ تو شیخ ابو عبد اللہ کی پیروی کر اور مسلمان ہو جا چنانچہ میں اُن کی تلقین سے مسلمان ہوئی۔ پھر اُنھوں نے میری آنکھیں بند کرائیں۔ اور ہاتھ پکڑ کے دو قدم چلے۔ تھوڑی دیر میں اُنھوں نے مجھے بیان جلد کے کنا سے لاکے کھڑا کر دیا۔ اور اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے شیخ کی خانقاہ ہے۔ اور تم جانا تو کہنا کہ خضر نے آپ کو سلام کہا ہے۔ یہ سن کے شیخ نے اُسے رہنے کو ایک

حجرہ دیا۔ مگر پہلی دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر کبھی اُس سے نہ ملتے تھے۔ اور وہ شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بڑی مشہور عابدہ زمانہ ہو گئی۔

تھوڑے زمانے کے بعد وہ بیمار پڑی۔ اور مرض بڑھتا ہی گیا۔ جب زندگی سے مایوس ہوئی تو شیخ کے پاس کھلا بھیجا قبل اس کے کہ مین دنیا سے رخصت ہوں ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھا جائے۔ شیخ ابو عبد اللہ گئے۔ اُسے روتے دیکھ کے دلہی کی۔ اور فرمایا کہ کل یوم القرار میں ہمارا انتظار اساتھ ہوگا۔ گھبراؤ نہیں۔ اس کے بعد وہ مر گئی۔ کچھ دنوں بعد شیخ نے بھی مرض موت میں مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔ اور شیخ ابو کبرشلی نے خواب میں دیکھا کہ بارگاہِ صمدی سے اُنھیں شہو رین عطا ہوئی ہیں۔ اور سب سے پہلے اُن کا عقد اسی رومیہ لڑکی کے ساتھ ہوا ہے۔

بس اس کے سوا آپ کے سفر کا اور کوئی واقعہ ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔

سماع اور صحبتِ حال و قال

حضرت جنید بغدادی کی طرح آپ بھی باوجود غریب بھر معرفت ہونے اور خود رنگی کی مستانہ شان رکھنے کے سماع کی نسبت ہی رائے رکھتے تھے کہ نہایت ہی نازک اور خطرناک چیز ہے ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ یا حضرت سماع کی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ ”فرمایا“ اُس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ لہذا

جسے اشارات یعنی رموز باطن میں پوری معرفت حاصل ہو وہی اُس کے ذریعہ سے عبرت حاصل کرنے کا مجاز ہے ورنہ فتنہ میں پڑ جائے گا۔

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی رائے میں سماع مخصوص انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اُس کے اہل ہوں۔ اُس کی عام مطلقین گرم کر دینا۔ اور ہر کہ وہمہ کے لیے نعمت و سرود کا دروازہ کھول دینا ہرگز جائز نہیں۔ علی الخصوص جب یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضرت بنجد و شبلی کے عہد میں جس قسم کے سماع کو اہل ذوق نے اپنے لیے جائز کیا تھا اُس میں مزامیر اور آلات طرب بھی تھے یا صرف خوش گلوئی کے ساتھ شعر خوانی تھی۔

آپ کے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ بعض لوگ گانا سنتے ہیں۔ اور اگرچہ اشعار کا مطلب نہیں سمجھتے مگر حال آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نسبت آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ جواب میں آپ نے مجنون عامری کے چار شعر پڑھ کر ذوق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اُن سے اس اعتراض کا جواب شافی بھی ایسی خوبصورتی سے مل جاتا ہے کہ اس سے اچھا عنوان جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذُبِّ وِہ رِقَاءَ هَتُوفٍ بِالْحَمَى ذَاتِ شَجْوٍ صَدَحَتْ فَاغْنَى

ہمارے احاطہ میں ایک کیوتر کی آواز آرہی ہے اُس کی آواز میں درد ہے اور بچوں میں بول رہا ہے۔

وَلَقَدْ لَشَكُوْنَا أَفْهَمَهَا وَلَقَدْ لَشَكُوْنَا قَهْمَهَا

وہ بھی شکایت کرتی ہے جسے میں نہیں سمجھتا اور میں بھی شاکِ بچوں کی

سمیعین نہیں آتی۔

عَذْرَانِي بِالْهَوَىٰ اَعْرِفْهَا وَهُوَ اَيْضًا بِالْهَوَىٰ اَعْرِفْنِي
سوا اس کے کہ عشق کے تعارف کرانے سے میں اُسے پہچانتا ہوں۔ علیٰ
ہذا القیاس وہ مجھے عشق کے ذریعہ سے پہچانتی ہے۔

ذَكَرْتُ الْفَاوِدَ هَسْرًا صَالِحًا فَكُنْتُ شَجْوًا وَهَاجَتِ شَجْنِي
وہ محبت اور اچھے زمانے کو یاد کر کے درد سے روئی اور میرے غم کو حرکت
دے دی۔

آپ کے اس ذوق و شوق کا یہ اثر تھا کہ آپ کے عالی مرتبہ اور صاحب علم و
فضل تلامذہ بھی سماع کے نہایت ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم نصر آبادی
کا شمار بھی اسی قسم کے صاحبان ذوق میں تھا۔ وہ آپ کے اعلیٰ درجے کے
اصحاب میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ علم حدیث اور کثرت روایت میں شہرت رکھتے
تھے۔ اور اپنے عہد میں شیخ خراسان مشہور تھے۔ مگر باوجود ان کمالات ظاہری
کے انھیں سماع میں بہت دلچسپی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اُن میں اور ابو عمرو
بن نجید میں جو ابوعثمان حیری کے اصحاب و تلامذہ میں تھے اور جنید بغدادی کی
آنکھیں دیکھے ہوئے تھے کسی صحبت میں تکرار ہو گئی۔ ابو عمرو نے انھیں سماع اور نغمہ
وغیرہ میں مہمک ہونے پر الزام دیا۔ نصر آبادی نے جواب میں کہا میں یہ شک
مکرم ہوں اور آپ کا کہنا سچ ہے مگر جس صحبت میں ایک شخص تو قول مباح کہتا ہو
اور باقی سب خاموش ہوں اُس محفل سے اچھی ہے جس میں غیبتیں کی جاتی ہوں۔

اس کے متعلق ہمیں کوئی حاکم کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس واقعہ سے
 ضمناً آتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ اُس وقت کے سماع کی صحبتوں میں صرف
 ایک مفتی گانے والا ہوتا تھا اور اُس کے ساتھ کوئی اور آواز نہیں سنی جاتی
 تھی۔ اگر مزامیر یعنی طنزیورے اور ڈھولک کے قسم کی کوئی چیز ہوتی تو ابوالقاسم
 نصر آبادی یہ نہ کہہ سکتے کہ ”ایک شخص تو قول مباح کہتا ہوا اور باقی سب خاموش
 ہوں“ لہذا وہ غنا صرف شعر خوانی سے عبارت ہے نہ نغمہ دہر دہے جیسا کہ اکثر
 عوام میں خیال کیا جاتا ہے۔

تعلیم اور طرز تعلیم

آپ کی تعلیم نہایت سخت تھی۔ اور اس قدر دشوار کہ بہت کم لوگ اُس کے
 متحمل ہو سکتے ہوں گے۔ لیکن مدرسہ باطن کی تعلیم ہوتی ہی سخت ہے۔ کیونکہ ہاتھ
 پاؤں اور تمام اعضا و جوارح کو کسی کام سے روک کے اپنے قابو میں لانا اتنا مشکل
 نہیں جس قدر کہ دل کو صرف ایک طرف متوجہ رکھنا اور خیال کو ادھر ادھر
 جانے سے روکنا ہے۔ اگر ہم اپنے نفوس کا اندازہ کریں تو دل پر ایسا قابو حاصل
 کرنا ہمارے نزدیک منجملہ محالات نظر آتا ہے۔

حضرت جفید بغدادی نے اپنے مدرسہ باطن میں لینے وقت جیسی جیسی سخت
 ریاضتیں آپ سے کرائیں اُن پر کاربند ہونا اور اُن کو بجالانا سچ یہ ہے کہ
 آپ ہی کا کام تھا۔ ورنہ ہماری تو اتنی مجال نہیں کہ نفس انسانی کو یوں پیچیدگی
 میں بند کر کے اپنا مطیع و منقاد بنالیں۔ لیکن بہان آپ نے معیار خدا پرستی اور سخت

قرار دیا تھا وہاں خدا نے آپ کو مرید اور عقیدت کیش بھی ایسے سچے صاحب خلوص اور دُھن سے لے کئے دیے تھے کہ ہر طرح کی ریاضت و نفس کشی کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور چاہے کیسی ہی زحمت و مصیبت کا سامنا ہو تا مرشد کا حکم بجالانے میں کوتاہی نہ کرتے۔ دراصل اُس زمانے کی یہی خیر و برکت تھی جس نے ہر علم و فن میں ایسے ایسے با کمال پیدا کر دیے جیسے کہ اسلام کو پھر کم نصیب ہوئے۔

ابو العباس و اعنانی کو جو آپ کے مریدین میں تھے آپ نے ہدایت فرمائی کہ ”خلوت اختیار کرو۔ لوگوں میں سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوارِ کھٹیف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں موت آجائے“ (۱) ایک ایسا مرید و مکتوب نصیحت فرمائی کہ پرہیزگاری تین طرح کی ہے۔ (۱) زبان سے۔ (۲) ارکان سے۔

(۱) اعضا و جوارح سے (۳) اور دل سے۔ زبان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ جس امر سے کچھ تعلق نہ ہو اُس میں انسان خاموش رہے۔ ارکان کی پرہیزگاری یہ ہے کہ شہوات چھوڑ دیے جائیں اور جو چیز شکوک پیدا کرتی ہو اُس سے چھوڑ کے اُس چیز کی طرف رجوع کیا جائے جس میں شک و شبہ نہیں۔ اور دل کی پرہیزگاری یہ ہے کہ ذلیل و حقیر ارادوں اور بُرے خیالات سے بچھا چھڑا لیا جائے؟

حصری جو آپ کے مریدانِ خاص میں تھے جب پہلے پہل مرید ہو کے علمِ باطن میں مشغول ہوئے تو حضرت ابو بکر شبلی کی خدمت میں ہر جمعہ کو حاضر ہو کے درسِ حقیقت لیا کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جبکہ تم میرے پاس آئے ہو اس اثنا میں اگر خداے واحد و الجلال کے سوا کسی

اور کا خیال بھی اٹھا رہے دل میں گزر جائے تو تھین میرے پاس آنا حرام ہے۔
 ایک مرتبہ ایک درویش اپنی ریاضت میں ہارا ہوا اور اپنی زندگی سے
 بیزار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا حضرت۔ وفاداری دین کا واسطہ
 میری فریاد سی کیجیے۔ بتائیے کہ اب کیا تدبیر کروں؟ کیا اس راہ حق سے مایوس
 ہو کے واپس لوٹ جاؤں؟ فرمایا "اے شخص! تو تو کفر کے دروازے کی کٹڑی
 کھڑکھڑا رہا ہے۔ کیا نہیں سنا کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ؟ (رحمت الہی سے ناامید نہ ہو)
 یہ سنتے ہی اُس نے کہا "ہاں اب مجھے اطمینان ہوا۔" اُس کی زبان سے یہ کلمات
 سُن کے آپ نے فرمایا "ہائین! حضرت جل وعلا کو آزماتا ہے؟ کیا نہیں سنا کہ
 فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (سوا یہ نصیب زیان کاروں کے کوئی شخص
 اللہ کے مکر سے بے پروا نہیں ہے) بولا پھر آپ ہی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ ارشاد
 ہوا "جا حضرت عزائم کے دروازے پر سرٹپک بیان تک کہ دم نکل جائے۔
 شاید آواز آجائے کہ من بالباب" (دروازے پر کون ہے؟)

اس سے بخوبی روشن ہے کہ جس منزل باطن میں آپ اپنے
 مریدوں کو لیجانا چاہتے تھے وہ کس قدر دشوار اور کٹھن تھی۔ اور کیونکر
 نہ ہوا اسی راستے کو بڑی سخت آزمائشوں اور دشوار سے دشوار
 ریاضتوں سے خود آپ نے طے کیا تھا۔ غرض حضرت جنید نے جس قسم
 کی نفس کشیاں آپ سے کرائی تھیں ویسی ہی نفس کشیاں آپ اپنے مریدوں
 سے کراتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کے اور توبہ کر کے طالب حق ہو

تو آپ اُس سے فرمائے جنگل میں جا۔ تو گل اختیار کر۔ اور تمام امور سے مجرد ہونے کے بعد خانہ کعبہ کا حج کر کے آئیں تو میری صحبت کے قابل ہو گا۔ یہ کہنے کے بعد بغیر کسی زاوراہ اور سواری کے اُسے اپنے ہم صحبتوں کے ساتھ جنگل کی طرف روانہ کر دیتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ”آپ تو خدا کی مخلوق کے ہلاک کرنے کا بندوبست کر رہے ہیں“ فرمایا ”نہیں۔ میرے پاس جو آتا ہے اُس کی عرض خدا شناسی ہوتی ہے۔ میری مصاحبہ کھنے کے لیے کوئی نہیں آتا اور اگر بالفرض اُس کے دل میں میری خدمت ہی کا خیال ہے تو پھر یہ بُت پرستی ہو۔ اور اس سے تو میرے پاس آنے سے پہلے ہی اچھا تھا۔ کیونکہ موحّد فاسق زاہر راہیوں سے افضل اعلیٰ ہوتا ہو۔ اور حجب معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی عرض جستجوے حق ہے تو پھر کوئی اندیشہ نہیں۔ اس راہ میں ہلاک ہو گئے تو بھی سمجھو کہ فائزِ ابرام ہو گئے۔ لیکن اگر یہ سب مصیبتیں جھیل کے واپس آ گئے تو اس سفر کی تکلیفیں اُنہیں ایسا استیلا بنادین گی کہ یہاں ٹھہرے اگر دس سال تک بچا ہرہ کرتے تو بھی اتنے درست نہ ہوتے۔ اس ارشاد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہو کہ آپ کیسی سمجھت ریاضت کراتے تھے۔ اور جو شخص آپ کے حلقہ ارادت میں شریک ہو جاتا تھا اُس کی کتنی جلد صلاح ہو جاتی تھی۔

جو مرید آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتے اُنہیں سے بھی تھوڑی نفس کشی نہیں کرائی جاتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ سے نکل کے مریدوں میں تشریف لائے جن کا شمار چالیس تھا۔ اور ان سے فرمایا ”لوگو!

اللہ جل شانہ بندوں کے رزق کا کفیل ہے۔ اور فرماتا ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (جو پرہیزگار کے ساتھ اُسکی طرف رجوع کرے اُس کے لیے سب کے ذریعے کھولتا۔ اور وہاں سے رزق دیتا جہاں سے ملنے کا اُسے خیال بھی نہ تھا۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اُس کے لیے کافی ہے) آپ کی ہدایت سن کے سب نے توکل اختیار کر لیا۔ اُسی اللہ جل شانہ سے لو لگائی۔ اور سب طرف سے توجہ ہٹالی۔ آپ اٹھین اس عہد کا پابند کر کے واپس چلے آئے۔ اور اُن کی یہ حالت ہوئی کہ تین دن گزر گئے۔ اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ تیسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے اور فرمایا "لوگو! اللہ جل شانہ نے سب کو بندوں کے لیے مباح کیا ہے۔ اور فرماتا ہے هُوَ الَّذِي يَجْعَلُ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلًّا لِّأَنْتُمْ تُسَوِّفُونَ مَا كَيْفَاؤُكُمْ مِنْ بَرَاءَتِهِ رُوَاهُ اللَّهُ هُوَ جِسْنُ زَمِينٍ كُوْتَهَارِے سَامِنِے عَاجِزٌ ذَلِيلٌ بَتَا دِیَا۔ اِذَا اُسْے رَاسْتَوْنَ مِیْنُ چَلَوْا وُرْ اُسْ كِے رَزَقْ كُو كْهَاؤُ) اس لیے اب مناسب ہے کہ جو شخص تم میں سب سے زیادہ نیک نیت ہو اس عزت گاہ سے نکل کے جائے اور تلاش معاش کرے۔ شاید کچھ قوت اُس کے ذریعے سے تمہیں حاصل ہو جائے" چنانچہ سب نے ایک شخص کو منتخب کیا۔ اُس نے جا کے شرقی غزنی بغداد میں چکر لگایا۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ تین دن کا بھوکا تھا۔ اور نہایت ہی ناتوان ہو رہا تھا۔ بغداد پہنچنے سے ضعف اور بڑھا۔ اور چلنے سے معذور ہو گیا۔ آخر مجبوراً ایک نصرانی سے بغداد کے دو حصے تھے ایک جو دریائے دجلہ کے مشرق جانب آباد تھا۔ اور دوسرا جو مغرب جانب تھا۔ یہ دونوں حصے شرقی غزنی بغداد کے نام سے مشہور تھے۔

طیب کے مطب کے پاس جا کے بیٹھ گیا۔ بیان خلقت کا ہجوم تھا۔ ہر مرض کے مریض جمع تھے۔ اور حکیم صاحب علاج کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے دواؤں کے افعال و خواص بیان کرتے جاتے تھے۔ جب بھیر چھٹی اور جمع کم ہوا تو حکیم صاحب کی نظر اس شکستہ پانقیہ پر پڑی۔ شفقت کی نظر سے دیکھ کے پوچھا ”تھین کیا شکایت ہے؟“ بیان مانگنے کی عادت تو تھی نہیں۔ اور پھر مانگنا بھی ایک غیر مذہب شخص سے۔ زبان نے عرض حال کی یاری نہ دی مگر ایک بے اختیار کی حرکت سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طیب نے نبض دیکھی۔ اور دل میں سمجھ گیا کہ ”تھارا مرض معلوم ہوا۔ اور اُس کی دوا بھی جانتا ہوں۔ مگر ذرا صبر کرو۔“ پھر اپنے غلام کو بلا کے حکم دیا کہ بازار سے جا کے ایک رطل روٹی۔ ایک رطل بھٹا ہوا گوشت۔ اور ایک رطل حلوائے آؤ۔ جب غلام ان چیزوں کو لایا تو حکیم صاحب نے اُتھین درویش کے حوالے کر کے کہا ”تھاری دوا یہ ہو“ فقیر نے کہا ”اُپ نے مرض تو خوب تشخیص کیا مگر مجھے اتنا اور عرض کر دینا چاہیے کہ اس مرض میں چالیس آدمی مبتلا ہیں۔“ دریا دل طیب نے فوراً غلام کو بھیج کے مذکورہ غذاؤں میں سے ہر ایک چیز چالیس چالیس رطل کی مقدار میں منگوائی۔ پھر اُن سب چیزوں کو خوں میں لگا کے ایک مزدور پر لدوایا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص جہان لے جائے۔ ان چیزوں کو ساتھ جا کے پہنچا آ۔“ غرض حضرت شبلی کا یہ مرید خاص خداوند جل جلالہ کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں کو لیے ہوئے اُس عزلت گاہ میں پہنچا جہاں آپ اپنے اُبتالیس مریضوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مصروف ذکر آئی تھے۔ آپ اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنی خلوت گاہ سے باہر نکل آئے۔ کھانے کو

دیکھا اور فرمایا ”اس کھانے کا عجیب بھید ہے“ پھر اُس مرید سے ساری گونہ سنائی۔ اور جب وہ بیان کر کے خاموش ہوا تو فرمایا ”کیا تم لوگ راضی ہو کہ ایک نصرانی کا کھانا کھاؤ؟ اور کچھ معاوضہ نہ کرو؟“ سب نے عرض کی کہ یا حضرت اس کا معاوضہ کیا ہے؟“ ارشاد ہوا ”اُس کے حق میں دُعائے خیر کرو“ آپ سب نے ہاتھ اٹھائے اُس کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دعا کرنا شروع کی۔ اتفاقاً وہ نصرانی طبیب بھی ان مریدانِ توکل کی حالت دیکھنے کے لیے اس مرید کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اور یہاں باہر کھڑے ہو کے ایک روشن دان میں سے جھانک جھانک کے ان سب کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب ان لوگوں کی اصلی حالت دیکھی تو نہایت متاثر ہوا۔ اور جب سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ضبط نہ ہو سکا آکے دروازے پر دستک دی۔ اور جیسے ہی دروازہ کھلا بے تحاشا دوڑ کے سامنے آیا۔ کلمہ شہادت پڑھ کے حضرت شیخ قبلی کے ہاتھ پر بیعت کی اور دین اسلام میں شامل ہو گیا۔ اس وقت دعا کے فوراً مقبول ہونے کی ایسی حیرت انگیز تصویر نظر آئی کہ سب کو اللہ جل شانہ کی قدرت کا ملمہ اکا عین الیقین ہو گیا۔ یہ طبیب اس کے بعد نہایت ہی سچا اور خالص العقیدہ مسلمان ثابت ہوا اور حضرت قبلی کے مریدوں میں داخل رہا۔

ایک شخص آپ کی صحبت میں اکثر شریک ہوتا اور آپ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اُس نے ایک دن عرض کیا کہ چاہتا ہوں آپ کے ہاتھ پر توبہ کروں۔ فرمایا ”اُنہ مال پیچ ڈال۔ اپنے قرض کا تصفیہ کر۔ اپنی بی بی کو طلاق دے۔

اپنے بچوں کو یتیم بنادے۔ اور اُن کو اپنے تعلقات سے یہاں تک مایوس کر دے کہ تجھے مردوں میں شمار کریں، اُس شخص نے ان سب باتوں پر عمل کیا۔ اور کچھ تھوڑا سا قوت لایوت سے کے حاضر ہوا۔ فرمایا "یہ جو لائے ہو اسے فقرا کے آگے ڈال دو۔ اور اُن کے ساتھ بیٹھ کے کھاؤ"۔

ان باتوں پر اکثر اہل ظاہر کو اعتراض ہو لیکن سچ یہ ہو کہ اس قسم کے اعتراضات عموماً غلط فہمیوں پر مبنی ہو اُکرتے ہیں جن علمائے ان باتوں پر حضرت ابو بکر شبلی یا دیگر بابا باطن کو الزامات دیتے ہیں اُن کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ جن چیزوں کو حضرت شافع علیہ السلام نے جائز اور حلال کیا ہے اُنہیں یہ بزرگسمیوں کو روکتے اور منع کرتے ہیں۔ یہ کہ خدا تعالیٰ نے جو جائز نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن کو شکر گزار ہونے کے قبول کرنا درکنار یہ اُنھیں اپنی رسل سے بغیر کسی محبت شری کے منع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ انھیں وجہ سے کہی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ شرک فی الرسائل میں مبتلا تھے۔ یعنی جو حق صرف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا خود بھی استعمال کر لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس اصول کے مطابق کہ خدا اور رسول کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرنا کفر ہو ان پاک سیرت خدا پرستوں کی نسبت کفر کا فتوے دیتے ہیں۔ لیکن خود سے دیکھا اور ذرا عقل سے کام لیا جائے تو مصداق کھل جاتا ہے کہ مقررین خود ہی ناگہی اور غلطی میں مبتلا ہیں۔

(ان بزرگوں نے کبھی کسی حلال چیز کی نسبت نہیں کہا کہ وہ ناجائز یا حرام ہے۔)

سے تلبیس ابلیس۔ ذکر منہ من کلام فی المسترآن

اور نہ کسی حرام چیز کو بھی حلال بتایا۔ اُنھوں نے صرف اپنے مدرسہ کے طلبہ اور اپنے فن کے سیکھنے والوں کو یہ سبق دیا کہ گو خدا کی ہزار نعمتیں حلال طیب ہیں۔ مگر روحانی ترقی اور صفائے باطن کے لیے ان چیزوں سے احتیاط کرنے کی ضرورت ہو۔ کیونکہ جب تک غذائیں اتنی تقلیل نہ کی جائے اور نفس کو مہو ٹا کرنے والی چیزوں سے ہاتھ نہ روکا جائے کوئی شخص نہ روحانی قوت حاصل کر سکتا ہو اور نہ نفس کو قابو میں لا سکتا ہو۔ لہذا ان کے دربارِ فیض کا جواز عدم جو از شرعی حاکمت و حرمت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ خاص قسم کا پرہیز ہے جس کو شریعت یا ثابہ آخرت سے تعلق نہیں۔

اور اگر ایسے پرہیز کرانے ہی سے انسان کا فر ہو سکتا ہے تو سب سے بڑے کافر (معاذ اللہ) ہمارے اہلکار اور ڈاکٹر ہوں گے جو روزِ بلا ناعہ مریضوں کے لیے ہزار ہا چیزیں حرام اور ہزار ہا جائز کیا کرتے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کو ان علمائے ظاہر نے نہ کبھی الزام دیا اور نہ اُن کی نسبت اس بنیاد پر کبھی کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا گیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کرام ہر احتیاط میں اور جس قسم کے پرہیز بتایا کرتے ہیں وہ شرعی حیثیت سے نہیں بلکہ روحانی طبیب ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے بہت کم غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ اور موجودہ اہل حدیث جو ان پر گالیاں مار رہے ہیں ان کا اعتراض کم از کم یہ کرتے ہیں اس سے باز آجائیں گے۔

اب ہم حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن تعلیموں کو بتاتے ہیں جن کا سلسلہ نیند و نساخ کی حیثیت سے ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور جن سے دنیا پر تازہ و دو

تک فائدہ اٹھائے رہے گی۔ کیونکہ ان تعلیموں میں بڑے بڑے دقیق مسائل اعلیٰ درجہ کی حکمتیں اور دینی و اخلاقی نصیحتیں مستتر ہیں۔ اور انسان جس قدر زیادہ غور کرے گا اُسی قدر زیادہ اُن سے نطف اور فائدہ اٹھائے گا۔

لوگوں نے ایک دن پوچھا "حضرت توحید کیا ہے؟" اس کا جواب آپ نے عجیب و غریب جوش و جلال کے الفاظ میں یہ دیا کہ "جو اُس سے تعبیر کرے (یعنی توحید کو الفاظ میں بیان کرے) ملحد ہے۔ جو اُس کی طرف اشارہ کرے وہ تنوی (یعنی دو خداؤں کا ماننے والا) ہے۔ جو اُس کی طرف رجوع کرے دشمنی (یعنی بُت پرست) ہے۔ جو اُس سے گفتگو کرے غافل ہے۔ جو اُس سے ساکت رہے جاہل ہے۔ جس کے دل میں یہ وہم ہو کہ پہنچ گیا۔ اُسے سمجھو کہ کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ جو اُس سے قریب ہونے کا دعویٰ کرے وہ دور ہے۔ جو گمان کرے کہ اُسے پایا وہ اصل میں کھونے والا ہے جو کچھ تم نے اپنے دامن سے میسر کیا۔ اور جو کچھ اپنے پورے معافی سے تم نے پایا وہ حقیقت سے ہٹا ہوا اور تمہاری ہی طرف واپس آتا ہے۔ اور وہ سب تمہارا ہی ایسا حادثہ و مصنوع ہے۔

فرماتے تھے "جو شخص علم توحید سے ذرا برابر بھی مطلع ہو گیا وہ اُس کے بوجھ کے سبب سے جیسے اٹھائے ہوئے ہے۔ باقی تمام چیزوں کے برداشت کرنے سے عاجز و ناتوان ہے۔ اور جیسے خیال گزرا کہ اُسے توحید حاصل ہو گئی اُس نے یہ سمجھو کہ توحید کی بوجھ نہیں سونگھی۔ چنانچہ خود اپنی نسبت پر ہی باوجود اس اعلیٰ مرتبہ عرفان کے فرماتے تھے کہ "جب میں یہ گمان کروں کہ میں اُسے کھو گیا۔

تو سمجھو کہ اُس وقت میں نے پایا۔ اور جب میں یہ خیال کروں کہ میں نے پایا تو جانو کہ درحقیقت میں نے کھو دیا۔ کبھی فرماتے کہ "جس نے اللہ جل شانہ کو اُسی سے طلب کیا اُس کی توحید صحیح ہو اور جس نے اپنے نفس سے طلب کیا اُس کی توحید ٹھیک نہیں۔" ایک شخص سے آپ نے پوچھا "جانتے بھی ہو کہ تمہاری توحید کیوں درست نہیں؟" اُس نے عرض کیا "نہیں" فرمایا "اُس لیے کہ تم اُسے اپنی ذات سے طلب کرتے ہو۔ نیز فرمایا "توحید تجھ سے اس لیے نہیں بن پڑتی کہ تو اُسے اپنی طرف طلب کر رہا ہو۔ اور جس کے پاس توحید صورت نہیں پیدا کرتی وہ کبھی توحید کی بُو تک نہ سونگے گا۔" ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "توحید موحّد کی صفت ہے حقیقتہً اور اُس کا زیور ہے رشتہ پھر ایک مرتبہ جوش میں آ کے فرمایا "توحید موحّد کا ایک حجاب ہے جمال احدیت سے۔"

تصوف کی نسبت بھی آپ کی دقیقہ بینیان اور وجودِ اہم معرفتِ خفین آپ بحرِ عرفان میں غوطہ لگا کے نکال لائے ہیں بہت ہی پُر لطف اور محفوظ رکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا "تصوف ایک جلا دینے والی بجلی ہے" کسی اور موقع پر فرمایا "تصوف اللہ کی صحبت میں بے غم ہو کے بیٹھنے کا نام ہے" ایک مرتبہ ارشاد ہوا "بہت سبب یہ ہے کہ انسان ایسا رہے جیسا کہ وجود (عالمِ ہستی) میں آنے سے پہلے تھا۔ کسی صحبت میں یہ ارشاد ہوا کہ "تصوف نگاہ رکھنا ہے ان معنی حواس کا اور نگاہ رکھنا انقاس کا ہے" کبھی جوش میں آ کے یہ کہہ دیا "تصوف شرک ہے۔ کیونکہ تصوف

عہدِ عرب - ۱۲ - عہدِ طبقاتِ اہلِ ہند - ۱۲۳ - عہدِ طبقاتِ الکبریٰ - ۱۲۴ - لحدِ ترکہ اولاد لایا۔

۱۷ - عہدِ رسالہِ قشیرہ - ۱۷۷ - عہدِ تذکرہ اولاد لایا۔ ۱۷۸ - عہدِ رسالہِ قشیرہ - ۱۷۹ -

دل کی نگہبانی ہو غیر سے اور غیر "مین" یعنی خودی کا خیال ہے۔ "ایک مرتبہ فرمایا" تصوف یہ ہے کہ انسان آپ نوہستی کے دیکھنے سے باز رکھے۔"

صوفی کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ "وہ خلقت سے قطع اور اللہ سے متصل ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہو۔ واصطفینک لنفسی (تجھے میں نے اپنے نفس کے لیے اختیار کیا) یعنی ہر غیر (ماسوی اللہ) سے قطع کر دیا۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ "لن ترانی" (تو دیکھے گا تو مجھے) ایک اور موقع پر آپ نے صوفیوں کی یہ صفت و حالت بیان کی کہ "صوفی بچہ ہیں حق کے گود میں" کسی نے پوچھا "صوفیہ کا نام صوفی کیوں رکھا گیا؟" فرمایا "اس لیے کہ ان میں کچھ خودی باقی رہ گئی ہو یہ بات نہ ہوتی تو ان کا کچھ نام ہی نہ رکھا جاتا۔" ایک موقع پر یہ فرمایا کہ صوفی اس وقت صوفی ہوتا ہو جب ساری خلقت کو اپنے عیال خیال کرے یعنی سب کا کنیل و بار بردار سمجھے۔ نیز فرمایا کرتے "صوفی خلقت کے دیکھنے سے معصوم (محفوظ) ہو جاتا ہے۔"

لوگوں نے پوچھا کہ فقیری کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا "یہ کہ سوا خدا کے اور کسی چیز کے ذریعے سے غنی نہ حاصل کرے۔" چنانچہ اسی امر کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ایک مرتبہ یوں فرمایا "فقر کی ادنی علامت یہ ہو کہ اگر ساری دنیا کسی کے قبضہ میں ہو۔ پھر اسے وہ ایک ہی دن میں خیرات بھی کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر اس کے دل میں یہ خیال گزر گیا کہ اپنے لیے میں نے

۱۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ رسالہ تشریح۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ طبقات الکبریٰ ۱۲۳۔

۲۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ رسالہ تشریح۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ عوارف۔ ۲۹۸۔

ایک دن کا قوت لایوت رکھ لیا ہوتا تو اُس کا فقر سچا نہیں، یونہی ایک اور موقع پر کسی نے اسی فقیری کے مسئلہ کو پوچھا فرمایا فقر یہ ہے کہ سوا ذات باری تعالیٰ کے کسی دولت کی آرزو نہ ہو،

محمد بن عبد الوہاب کا بیان ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے معرفت کی نسبت سوال کیا فرمایا "اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ ہے اور انتہا کی کوئی حد نہایت نہیں" نیز ارشاد فرماتے ہیں "عارف اُس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اور نہ اُس کے سوا کسی کے کلام کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ سوا اللہ جل شانہ کے کسی کو اپنی ذات کا محافظ خیال کرتا ہے" ایک دفعہ فرمایا "عارف کا وقت بھی گویا موسم بہار ہے۔ بادل گر جاتا ہے۔ ابر برستا ہے۔ کوندا چکمتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ پھول کھلتے ہیں۔ ٹہیل چپھاتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح عارف کی آنکھ روتی ہے۔ لب ہنستے ہیں۔ دل جلتا ہے۔ سر ہلتا ہے۔ ہمیشہ دوست کا نام لیتا ہے۔ اور اُس کے دروازے پر چکر لگاتا ہے۔ ایک تیز ارشاد ہوا "عارف وہ ہے کہ کبھی تو ایک مچھر کی تاب نہ لاسکے۔ اور کبھی ساٹھ آسمانوں اور زمینوں کو ایک پلک کی نوک پر اٹھائے" معرفت کے متعلق اپنے سچے جذب و جوش کو زیادہ محسوس منتظرین لاسکے فرماتے ہیں "عارف وہ ہے کہ دنیا کی ازار بنائے۔ اور آخرت کی چادر۔ پھر دونوں کو اُتار کے اللہ جل شانہ کے ساتھ مفرد ہو جائے" اس کے بعد معرفت کی نوعیتوں کی تصریح فرماتے ہیں کہ "معرفت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) معرفت حق تعالیٰ کی۔ (۲) حجاج ذکر الہی کی اور

(۲) معرفت نفس کی یہ محتاج ہو فرائض دینی ادا کرنے کی۔ (۳) معرفت باطن کی۔ اور یہ محتاج ہے اس بات کی کہ انسان اُس کے احکام اور قضا و قدر پر راضی یعنی راضی برضا ہو جائے۔

محبت چونکہ تصوف اور کمال باطن کی سیڑھی اور رمز شناسی کی جان ہے اس لیے فرماتے ہیں ”محبت یہ ہے کہ محبوب جو چاہے اُس کو اختیار کر گواہ لدا تجھے اُس سے نفرت ہو۔ اور جس چیز سے محبوب کو نفرت ہو اُسے چھوڑ دے اگرچہ تجھے اُس سے اُنس و الفت ہو“ منصور بن عبد اللہ نے حضرت ابو بکر شبلی کو یہ فرماتے سنا ”محبت یہ ہے کہ تجھ میں اس بات کا جو شوق و رغبت پیدا ہو کہ کچھ کوئی اور شخص بھی اُس سے محبت کرتا ہے“ ایک موقع پر ارشاد فرمایا ”محبت کا نام محبت اس لیے رکھا گیا کہ سوا محبوب کے سب چیزوں کو دل سے مٹا دیتی ہے“ ایک دفعہ فرمایا ”محبت عامری سے لوگوں نے پوچھا ”تھیں لیلے سو محبت ہے“ ”کہا ”نہیں پوچھا“ کیوں؟“ ”کہا ”نسبت ذریعہ وصل ہے۔ اور یہاں ذریعہ ہی درمیان سے ساتھ ہو گیا۔ کیونکہ میں لیلے ہوں اور لیلے میں ہے“ یہ ہو وہ محبت جسے آپ پیہ اگر ناپا سہتے تھے۔ اور جو آپ کے الفاظ و افعال سے بار بار چمک اٹھا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ لوگوں نے محبت کی نسبت سوال کیا تو فرمایا کائس لھا و کھج اذا استقر فی الخواص و سکن فی القوس تلاكشت۔ (ایک جام ہو جس میں ایک ایسی گرمی ہے جس نے اگر جو اس میں قرار پکڑ لیا اور نفس میں

عنه تذکرة الاولیاء۔ ۱۔ بحسبہ عوارف۔ ۳۳۴۔ مسد رسالہ کشمیرہ۔ ۱۸۹۔

طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲۰۔ ص ۵۵ عوارف۔ ۳۲۱۔

چھڑ گئی تو ساری ہستی کو مٹا کے اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے (ایک موقع پر شاہ
 فرمایا "محبت یہ ہے کہ جس چیز کو تو دوست رکھتا ہو اُسے محبوب کے لیے خرچ کرے"
 اور محبت کے اثر کو ان الفاظ میں بتایا کہ "ہمدیت دلوں کی گھلانے والی ہے۔
 محبت کی آگ جانوں کی گھلانے والی ہے۔ اور شوق نفسوں کا گلانے والا ہے۔
 زہد و دمع (پرہیز گاری) کی نسبت فرماتے تھے "وہ یہ ہے کہ کل ماسوا می اللہ
 سے تو پرہیز کرے" علیٰ ہذا القیاس زہد کی نسبت لوگوں نے سوال کیا تو فرمایا
 "زہد یہ ہے کہ کل ماسوا می اللہ سے تو زاہد (کنارہ کش) ہو جائے۔ دوسرے
 موقع پر فرمایا "زہد یہ ہے کہ دنیا کو بھول جائے اور آخرت کو یاد میں نہ لائے۔"
 ایک دفعہ ارشاد ہوا "زہد یہ ہے کہ دل کو اشیائے خالق اشیا کی طرف پھیرے۔"
 پھر ایک دفعہ جوش وحدت سے از خود رفتہ ہو کے فرما دیا "زہد غفلت ہے۔ کیونکہ
 دنیا ناچیز ہے اور ناچیز میں زہد کرنا فاضل ہوتا ہے" اور سب سے زیادہ آپ کا
 پُر لطف و پر مغز فقرہ دمع کی نسبت یہ ہے۔ "اَوْ دَمْعُ اَنْ تَتَوَسَّعَ اَنْ تَتَشَبَّهَ قَلْبُكَ
 عَنِ اللّٰهِ طَرَفَةً عَيْنٍ" پرہیز گاری اس بات سے بچنے کا نام ہے کہ ایک چشم زدن
 کے لیے بھی تیرا دل اللہ جل شانہ کی طرف سے نہ ہٹے۔ اور آخر اُس حضرت رب العز
 کی قدرت کا ملکہ کا لحاظ فرما کے اور دریائے عرفان میں غرق ہو کے فرما دیا
 "اور سچ تو یہ ہے کہ زہد کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ دو صورتوں سے خالی
 نہیں ہے۔ یا تو انسان اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے پاس نہیں ہے۔
 تو یہ کنارہ کشی ہی نہیں ہے۔ اور یا اُس چیز سے کنارہ کش ہو گا جو اُس کے

پاس ہے۔ تو اُس سے کنارہ کشی کیونکہ ممکن ہے؟ اس لیے کہ وہ تو اُس کے ساتھ
اور اُس کے پاس موجود ہے۔ غرض یہ کہ زہد و ورع نفس کی لاف زنی کے سوا
کچھ نہیں یہی خیال دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا گیا ہے ”جو مقدر میں ہے ضرور
پونچے گا۔ اور جو مقدر میں نہیں کتنی ہی محنت و مشقت سے کام لو نہ ملے گا۔ پھر زہد
کیا ہوا؟“

ایک شخص نے آ کے کثرت عیال کی شکایت کی۔ نہایت ہی سہولت اور
ممانعت سے فرمایا ”ایک کام کرو۔ اپنے گھر میں جا کے دیکھو جس کسی کا رزق خدا
کے ذمے نہ ہو اُسے نکال دو“ بظاہر وجود اس حد تک راضی برضا ہونے اور ہر چیز کو
اُس کا حل ملے۔ قدرت کے فضلہ قدرت میں سمجھنے کے آپ میں عجیب آزادانہ بانگین تھا۔ کسی
نے کہا ”کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ رچن ہے؟“ فرمایا ”ہاں جانتا ہوں۔ لیکن جب
میں اُس کی رحمت کو جانتا ہوں اُس سے رحم کی درخواست نہیں کی“ سائل نے تحقیر
ہو کے عرض کیا ”کیون؟“ فرمایا ”اس لیے کہ حریت (آزادی) کا مقام زیادہ
معرض ہے“

احمد بن محمد بن زید نے ایک دن حضرت شیخ ابو بکر شبلی کی زبان فیض و تہجد
سے چند رچہ ذیل کلمات ہدایت و معرفت سُننے تھے۔ جو اس قابل ہیں کہ آپ زور
سے لکھ جائیں۔ ”عارف کو کسی سے علاقہ نہیں۔ محب کو کوئی شکایت نہیں۔
خوف زدہ کو کبھی قرار نہیں۔ اور اللہ عز و جل سے کسی کو مفرت نہیں“

عہ عوارف - ۲۹۵ - عہ تذکرۃ الاولیاء - ۳۷۷ - عہ عوارف - ۳۱۶ -

الکتاب رسالہ کشمیریہ - ۱۳۰ - ۱۸۴ -

کسی نے پوچھا "دنیا کیا ہے؟" فرمایا "ایک دگچی ہے جو جوش کمار ہی ہے۔
اور ایک قھیلا ہے جو بھرجا رہا ہے۔" اپنے اہل زمانہ سے کہا کرتے "تم لوگ
قبرین ہو کسی نے عرض کیا "کیوں؟" فرمایا "اس لیے کہ تم میں سے ہر ایک کپڑوں
میں دفن ہے۔" تو اس پر کسی اور نے کہا "تو ہمارا شمار مردوں میں ہے؟" فرمایا
"بے شک عارف سورہ یٰن۔ اور جاہل مردے ہیں۔"

ایک شخص نے آپ کے سامنے اپنا یہ شبہ پیش کیا کہ "دنیا تو افعال و مشغال
کے لیے ہے اور آخرت احوال کے لیے۔ پھر راحت کب ہوگی؟" فرمایا "دنیا کے
اشغال سے دست بردار ہو جاؤ تا کہ آخرت کے احوال سے بھی نجات مل جائے۔"
ایک مرتبہ فرمایا "عبودیت اٹھ جانا تیری مراد اور ارادے کا ہے اُس جل شانہ کے
ارادے کے مقابلہ میں۔ اور تیرے اختیار کا ٹوٹ جانا ہے اُس کے اختیار کے
مقابلہ میں۔ اور تیری آرزوؤں کا ترکہ اُسکی قضا کے مقابلہ میں؟"

فرماتے ہیں غیر تین دو قسم کی ہیں۔ (۱) غیرت بشریت نفسوں پر (۲) اور غیرت
الہی دلوں پر اس کے بعد تصریح فرماتے ہیں کہ نفسیں پر غیرت الہی یہ ہے کہ کل ماموسہ اللہ
کو تو ضائع کر دے علیٰ ہذا القیاس ارشاد فرمایا ہو کہ "دعوتیں تین ہیں۔ (۱) دعوت علم
(۲) دعوت معرفت۔ (۳) دعوت معائنۃ علم یقین۔ اور عین الیقین اور حق یقین کے
الفاظ ہر اہل و نا اہل کی زبان سے سنے جاتے ہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو بکر
شبلی نے ان کی کیا تعریف و تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں علم الیقین وہ علم جو
جو ہمین انبیاء علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے پہنچا ہے اور عین الیقین وہ علم جو

جو اسرار ہدایت میں غوص و غور کرنے سے بغیر کسی ذریعے اور واسطہ کے دل کو
حاصل ہو۔ اور حق الیقین وہ ہے جس کے مضامین تک اس عالم میں رسائی
نہیں ہو سکتی۔

کسی نے پوچھا ”یا حضرت آفتاب غروب کے وقت زرد کیوں ہو جاتا ہے؟“
فرمایا ”اس لیے کہ وہ اپنی نیل کے مقام سے علیحدہ ہوتے وقت آنے والے مقام کے
خوف سے زرد ہو جاتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہو۔ دنیا سے نکلتے وقت اُس کا چہرہ
زرد ہو جاتا ہے کیونکہ اُسندہ کی منزل سے دُرتا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھو
کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو چمکتا ہوا نکلتا ہے۔ اسی طرح مومن جب قبر سے
نکلتا ہے اُس کا چہرہ چمکتا ہوا ہوتا ہے۔“

شریعت و طریقت و حقیقت کا فرق بتاتے ہیں کہ شریعت یہ ہے کہ تو اُس
خدائے عزوجل کی عبادت کرے۔ طریقت یہ ہو کہ تو اُس کو طلب کرے۔ اور
حقیقت یہ ہے کہ تو اُس کو دیکھ لے۔

دل کو خدا کے خیال کا مرکز و مستقر ہونے کے باعث آپ نے بھی کعبہ سے
تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ”بیت اللہ الحرام (کعبہ شریف) میں حضرت
خلیل علیہ السلام کے آثار ہیں اور دل میں حضرت رب العزت کے آثار۔ علی
ہذا القیاس جس طرح خانہ کعبہ میں ستون ہیں۔ اسی طرح دل میں بھی ستون ہیں۔ مگر
بیت اللہ کے ستون پتھر کے ہیں۔ اور دل کے ستون اُس جوہر سے بنائے گئے
ہیں جو انوار معرفت کے معاون سے نکلتا ہے۔“

فرماتے ہیں خلقت جو اشارہ حق کی طرف کرتی ہے وہ اشارہ مردود ہے۔
مگر جو اشارہ حق سے حق کی طرف ہوا اور خلقت کو اُس میں دخل نہ ہو وہ اشارہ
البتہ مقبول ہے۔

مریدوں کو ہدایت فرماتے کہ ”ہیماہین استقامت قیامت پر محمول
کرنے کا نام ہو۔ حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرمایا ہے۔ لہذا اُسی وقت
کے انتظار میں ثابت قدم رہنا استقامت ہے۔“

کتنے بڑے نازک مسئلہ الہیات کو آسانی کے ساتھ چند الفاظ میں حل کر دیا
ہے کہ ”بندے کا بندے کی آنکھ میں ظاہر ہونا عیودیت ہے۔ اور حق تعالیٰ جل شانہ
کے حسنات کا اُس پر ظاہر ہونا مشاہدہ“۔ لیکن اس سے زیادہ پُر مذاق یہ لطیفہ ہو
کہ ایک دن کسی نے آپ سے مشاہدہ حق کی کیفیت پوچھی فرمایا ”ہمارے لیے
خدا کا مشاہدہ کہاں؟ خدا ہمارا مشاہدہ کر رہا ہے۔“

ایک ہی امر میں آپ کے اس قسم کے مختلف و متباہن الفاظ سن کے لوگوں
نے عرض کیا ”حضرت۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کبھی کچھ فرماتے ہیں اور کبھی کچھ؟“
جواب میں ارشاد ہوا ”ہم کبھی باخود ہوتے ہیں اور کبھی بیخود۔“

شاخ صوفیہ پر جو عالم وجد طاری ہوا کرتا ہے اُس کی حالت بیان فرماتے
ہیں کہ ”الْوَجْدُ اَظْهَرُ الْمَوْجُودِ“ یعنی وجد اُس موجود مطلق کے ظاہر کرنے سے
عبارت ہے۔ ”پھر خود ہی اِن لوگوں کا خیال کر کے جو نا اہل ہونے کے ساتھ وجد کا

تذکرۃ الاولیاء - ۷۴ - رسالہ شیریہ - ۲۵ - تذکرۃ الاولیاء - ۷۴ -

للہ - رسالہ شیریہ - ۵۸ - تذکرۃ الاولیاء - ۷۴ -

اظهار کیا کہ سترہین ارشاد فرمایا جب تک شہود کا مرتبہ نہ حاصل ہوا۔ وہ میرے
نزدیک انکار پارسی ہے۔ اور جسے خداوند جل و علا کا شہود حاصل ہے وہ میرے
خیال میں (اس) ہستی کے شہود کو فنا کر دیتا ہے۔

اللہ جل شانہ کا ذکر آتا تو فرماتے جَلَّ الْوَاحِدُ الْمَعْرُوفُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَ قَبْلَ الْوُجُوهِ
یعنی حرفوں اور تعریفوں سے پہلے ہی وہ مشہور ریگانہ (مطلق) بزرگ و برتر ہوا۔
علیٰ ہذا القیاس یہ بھی کبھی کبھی فرماتے اِنِّیْ لَیْ عَیْبَانٌ کِیْ ذَاتِ کِیْ ذَکِیْفِیَّتِ بِلَانِ
کی جا سکتی ہے۔ اور اُس کے کلمات کے لیے حرف نہیں ہیں۔ مریدین سے
اکثر فرماتے ”اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا جلیس (م صحبت)
ہوں“ اُس کے اوپر پوچھے ”ایسی صورت میں بتاؤ کہ خدا کے پاس بیٹھنے کے اُسکی
صحبت سے تم لوگوں نے کیا فائدہ اٹھایا؟“

ابو الحسن ثنی کا بیان ہے کہ ایک دن میں جامع بغداد میں شیخ ابو بکر شبلی کی
صحبت میں فیض بابان معرفت کے حلقے کے پاس ایک کنارے پر کھڑا ہوا تھا
کہ ایک شخص مشائخ کی وضع و لباس میں آیا۔ اور پوچھا کہ ”اے شیخ۔ وصل کیا چیز
ہے؟“ سنتے ہی شبلی نے اُس کی طرف رخ کر کے دیکھا اور فرمایا ”اے وصل کی حقیقت
پوچھنے والے دو طرح کے لگاؤں کو چھوڑ دے۔ تو نے یہ کیا اور وصل کے درجے
کو پہنچ گیا؟“ اُس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دونوں لگاؤں سے ہیں؟“
فرمایا ”ایک ٹیلا تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اللہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ پوچھا تو
دے ٹیلا کون سا ہے؟“ فرمایا ”تیا و آخرت۔ چنانچہ خود ہمارا پروردگار فرماتا ہے

لَا تَدْعُ إِلَى شَتَّىٰ ۚ وَلَا تَتَّبِعْهُ ۚ وَتَتَّقِ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ (سورۃ اعراف: ۱۷) اور اے رسول! (یعنی) نہ دعا کرنا کسی شے کی طرف نہ اس کی پیروی نہ اور اللہ سے ڈرنا۔ اللہ عذاب کا شدید ہے۔

کہ میں تم میں سے ہوں، اللہ دنیاؤں سے تم کو الٹا کر دے گا۔ تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت چاہتا ہے؟ وہ شخص کہان ہے جو خدا کو چاہتا ہو؟ یہ جواب دینے کے بعد آپ کے دل میں توحید اور عشق الہی کا جوش ہوا۔ اور عجب نیتابی کے لیے میں یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے ”إِذَا قُلْتِ اللَّهُ هُوَ اللَّهُ! وَإِذَا سَأَلْتِ فَهُوَ اللَّهُ! يَا اللَّهُ! يَا مَنْ هُوَ هُوَ! وَلَا يَكُنْ أَحَدًا مَّا هُوَ سِوَا سُبْحَانَهُ! وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ حبیب تو کہے اللہ تو وہ اللہ ہے اور جب تو خاموش ہے تب بھی وہ اللہ ہے اے اللہ اے اللہ اور اے وہ کہ وہ وہی ہو اور خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے! پاک ہے وہ! پاک ہے وہ! اذکار لایا ہو اور کوئی اُس کا شریک نہیں! یہ کلمات ایسے جوش اور ایسے دل سے نکلے تھے کہ آپ زیادہ کی تاب نہ لاسکے۔ بین تک پہنچنے پائے تھے کہ بیہوش ہو کے زمین پر گر پڑے۔ اور مریدین آپ کو بہت اٹھائے گھر میں لائے۔

ابو علی مغازی نے ایک دن خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت بعض اوقات میں کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتا ہوں تو اُس کے اثر سے دل اس بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کر دوں۔ اور دُنیا کی طرف سے منہ پھیر لوں۔ مگر یہ حالت تھوڑے زمانے کے بعد جاتی رہتی ہے اور دل اپنی طرف اور دُنیا کے لوگوں کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔ آپ نے سُن کے فرمایا جو کشش تم میں پیدا ہوتی ہے وہ اُس حضرت رب العزت کی تھارے

کہ حَیْزُ عَمَلِ الْمَرْءِ کَسْبٌ یَمْنَنُہٗمَ (انسان کا سب سے اچھا عمل وہ ہے جسے اپنے دہتے ہاتھ
(اپنی قوتِ بازو) سے حاصل کرے) اس میں کسبِ یمن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جب
رات ہو پانی سے کے وضو کرو۔ اور نماز کے لیے تیار ہو جاؤ پھپھرتی نماز چاہے
پڑھو۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا کے درگاہِ رب العزت میں دعا کرو۔ پس یہی تمہارا
کسبِ یمن ہے۔

آپ یہ بھی فرمایا کرتے کہ ”توبہ میں دیر لگانا اور تاخیر کرنا سب سے بُرا گناہ
ہے۔ اس لیے کہ جب گنہگار نے یہ کہا کہ سال بھر بعد توبہ کروں گا تو اس کے یہ معنی
ہوئے کہ سال بھر تک گناہ کرتا رہوں گا“

یہ بھی آپ کی تعلیماتِ باطنی میں سے ہے کہ اللہ جل شانہ لوگوں کے ظرف و
حوصلہ کے مطابق اُن کے سامنے سے واسطوں یعنی پردوں کو ہٹا یا کرتا ہے۔
کیونکہ جو حالاتِ انبیاءِ علیہم السلام پر منکشف ہو گئے ہیں مگر اولیاء اللہ پر ذرہ
برابر بھی کھل جائیں تو اُن کی ولایتِ باطل ہو جائے اور بارگاہِ ربانی سے
وہ کلیتہً منقطع ہو جائیں۔“

کبھی کبھی شیعوں اور خوارج پر اعتراض کرتے۔ اور فرماتے کہ شیعوں
اور خارجیوں سے زیادہ تنگ حوصلہ کوئی نہیں۔ کسی نے اگر بُرا کیا تو اپنے لیے
اور بھلا کیا تو اپنے لیے کیا۔ مگر یہ دوسروں کی حمایت یا مخالفت میں اپنا وقت
برباد کیا کرتے ہیں۔

وقت کی قدر و قیمت علمائے ظاہر کی زبان سے بارہا سُن چکے ہو۔ اور

عہ مستظرف فی کل فن مستظرف۔ جلد اول۔ ۱۲۸۔ عہ عوارف۔ ۲۹۲۔ عہ طبقاتِ اکبریٰ۔ ۱۲۲۔ عہ لعلۃ تذکرۃ الاولیاء۔ ۱۲۸۔

خصوص آج کل مغربی مذاق کے رہبران اخلاق کے ہزار ہا پریشان و شکوہ الفاظ کا نون مین گونج رہے ہوں گے۔ اب ذرا سنو کہ ایک اگلا صاحب دل ولی اللہ اس النول پوچھی کی وقت کس عنوان سے پتا تاسے۔ حافظ صوفی شیخ ابوسعید مالینی حضرت ابو بکر شبلی کا یہ بے ہا قول بیان فرمایا کرتے تھے کہ یہ وقت کی پوچھی بوجھتا رہے پاس ہے اسے فخر و ناز کے ساتھ رکھو کہونکہ کل ہی سہرا یہ تھارے پاس ہوگا۔ اور اسی کے درپے سے اس کے ساتھ ازلی صحبت رہے گی۔

ہمارے گران پایہ مؤرخ زمانہ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے مولانا رزم کے اکثر استعارے موجودہ مسائل سائنس کے ثبوت دینے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شاید حضرت ابو بکر شبلی کے اس قول سے یہ فائدہ اٹھا سکیں کہ خدا کے نزدیک زمانہ حرکت فکلی سے متعرج ہے۔ اور اگر یہ رقرار فلک نہ ہو تو زمانہ بھی نہ باقی رہے۔ یہ حال کی تحقیق ہے کہ زمانہ تخلیق اور قبل و بعد تخلیق کی حالتوں سے یکساں متعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن ان جدید محققین سے بہت پہلے اسلام کا ایک پاک نفس صوفی کہہ رہا ہے کہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی خدا کے ساتھ ازلی صحبت میں زمانہ موجود ہوگا۔

آپ قرآن مجید میں بہت زیادہ غوص و فکر کر کے۔ اور علم باطن کے متعلق ایسے نازک لطیف اور بحر عرفان کے گوہر شاہوار ڈھونڈ نکالتے جواب سے بیشتر شاذ و نادر ہی کسی کے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ اکثر آیات قرآنی

کی آپ نے ایسی اچھی تفسیر کی ہے اور اُن سے ایسے مسائل اپنی الہامی قوت سے حاصل کیے ہیں جو سچے سچے کہ آپ ہی کا حصہ ہیں۔

آپ کے زمانے میں شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ مقرئ قرآن کی ساتویں قراتوں کے عالم بے ہمتا تھے۔ اور علوم قرآن میں اُن کی سند مانی جاتی تھی۔ اُنھوں نے جب حضرت ابو بکر شبلی کو یہ دعویٰ کرتے دیکھا کہ علم و فضل منہرہ فساد بھی ہو جایا کرتا ہے تو اعتراضاً آپ کی خدمت میں آئے کہ اس علم سے اور فساد پیدا ہونے سے بھلا کیا علاقہ؟ اور یہ بھی دیکھو کہ اُس سے نفع کس قدر حاصل ہوتا ہے؟ سنتے ہی حضرت شبلی بولے "تو اللہ جل شانہ کے قول فَطَنَّا مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ" کا کیا مطلب؟" اس کے بعد جناب شیخ شبلی نے سوال کرنے کے بجائے میں اُن سے فرمایا مگر اسے قرآن کا درس دینے والے بتا کہ قرآن میں یہ مضمون کہاں ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والے پر عذاب نازل کرنا؟ شیخ احمد مقرئ جب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دے سکے تو حضرت شبلی نے فرمایا کہ سُنُوا اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ نَحْنُ

عصیٰ یہ آیت سورہ ص کی ہے۔ معنی یہ کہ وہ یہود و مسلمان (پنڈیوں اور گردن پر گھوڑوں کی اٹھانے لگا۔) اس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ منہ کے کنارے دریائی گھوڑی نکلتے ہیں۔ یہ گھوڑی اچھی نسل کی گھوڑیاں وہاں بندھوا دیں گھوڑیاں اُن سے جانہ ہوئیں۔ اور نہایت ہی اچھے بچے بنے۔ یہ بچے جب تیار ہو کر ملاحظہ میں لائے گئے تو آپ اُن میں اس قدر مشغول ہوئے کہ بولچ نہ کر سکیا اور عبادت کا وقت گزر گیا۔ اس پر آپ کہ غصہ آیا اور اُن عہدہ نسل کے گھوڑوں کو مٹا کر کاٹ ڈالا۔ یہی آخری واقعہ اس آیت میں مذکور ہے۔

اَنبَاءُ اللّٰهِ وَاَجْبَاؤُهَا رَکَہا ہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست
ہیں۔ اَعَالِیَا شَیخ کا مقصود یہ ہے کہ باوجودیکہ ہود و نصاریٰ شرک و کفر میں مبتلا
اور کُشش ہیں مگر چونکہ خدا کے دوست اور عزیز ہونے کے عہدِ اربعین علیہ
وہ ان پر عذاب نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کی اور بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر فرمائی
ہے۔ چنانچہ قُلْ لِلّٰہِ الْمَدِیْنَةُ (کہ دے لے) مجید (مومنین سے کہ اپنی
آنکھیں نہ کھلیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں سر کی آنکھوں کو حارم سے اور دلوں کی
آنکھوں کو ماسواہی اللہ سے۔ آیہ کریمہ اَلَا مَن اٰتٰی اللّٰہَ بِقَلْبٍ لِّمٍ (مگر وہ شخص جو خدا
کے پاس قلب سلیم لے کے حاضر ہو) کی تفسیر میں فرمایا یہ قلب سلیم ابراہیم علیہ السلام
کا قلب تھا۔ اس لیے کہ وہ بندے کی خیانتوں اور حضرت رب العزت کی
ناراضیوں سے اپنے امکان بھر محفوظ تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ الْمُسْتَوٰی کے معنی پوچھے۔ فرمایا خداوند
جل و علا ہمیشہ سے تھا اور عرش بعد پیدا ہوا۔ یاد رکھو کہ رحمن عرش سے نہیں
بلکہ عرش رحمن سے مستوی ہوا۔ ایک مرتبہ آیہ کریمہ وَکَسُوْا فِیْہِکُمْ نَارًا فَمِیْہِ
(اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے دے گا ایسا کہ تو راضی ہو گا) پڑھی اور فرمایا
خدا کی قسم جب تک آپ کی امت کا ایک شخص بھی آتش دوزخ میں نہ گے گا
آپ ہرگز راضی نہ ہوں گے۔

معہ طبقات الشافعیہ سبکی۔ جلد دوم۔ ۱۳۰۔ معہ نفحات الانس ۱۷۷۔ معہ طبقات الکبریٰ ۱۳۱۔

معہ روح الریاضین ۳۲۹۔ و در سالہ تشریح ۷۷۔ معہ تلخیص البیسی علی الصوفیہ فی تفسیر و الدعاوی۔

ابو نصر عبد اللہ بن علی طوسی سراج اپنی کتاب التلخیص میں لکھتے ہیں کہ ایک دن ابو بکر بن خفیف نے شبلی سے اللہ جل شانہ کے قول وَمَنْكُرُاَدِمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ نَجِيذُ الْمٰكِرِيْنَ (اور مکر کیا انھوں نے) کا فزون (سے) اور مکر کیا اللہ نے۔ اور اللہ سب سے اچھا کر کرنے والا ہے) کو پیش کر کے عرض کیا کہ خیر اُن لوگوں کا مکر تو معلوم ہے۔ مگر اللہ کا مکر کیا ہے؟ فرمایا ”اللہ کا یہ مکر ہے کہ وہ جس حالت پر تھی اُسی حالت پر انہیں پہنچوڑ دیا۔ اگر وہ چاہتا تو اُن کی حالت ایک آن واحد میں بدل جاتی“ لیکن ابو بکر بن خفیف موصوف کی صورت دیکھی تو دل میں سمجھ گئے کہ یہ بات ان کے دل پر نقش نہیں ہوئی ہے۔ بولے ”تم نے فلان طلبہ پر عورت کو کبھی یہ شعر گاتے سنا ہے کہ۔

وَقَدْ سَمِعْتُ مِنْ سِوَاكَ الْفَقْلُ مِعْدُوْنِي وَتَغْفُلُكَ وَتَحْسِنُ مِنْ سِوَاكَ ذٰلِكَ

کوئی کام تیرے سوا کوئی اور کرتا ہے تو مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے اور وہی کام تو کرتا ہے تو یہ سچ ہے اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔“

لوگوں نے ایک موقع پر آپ سے حدیث نبویؐ اِذَا رَاَيْتُمْ اَهْلَ الْاَسْبَاطِ (جب تم بتلاؤ بڑے لوگوں کو دیکھو تو اپنے پروردگار سے عافیت کی دُعا مانگو) کے منہ پوچھ فرمایا ”بتلاؤ یا وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے غافل ہیں۔“

— — — — — ۱۱ — — — — —

آپ کی مخالفت

مومنین اختلاف کیا جانا اور اہل زمانہ کا عداوت و دشمنی پر کامادہ ہو جانا ہمیشہ اہل حق اور سچے خدا پرستوں کی آزمائش کا ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ یہ دشواری ہر فن اور ہر قسم کے باکمالوں کو پیش آیا کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد جنیلؒ کے ایسے ائمہ فقہ و حدیث بھی زمانے کی اس عام سردھری سے نہیں بچے تو پھر بچا پرے صوفیوں کے لیے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

حضرت جنید بغدادی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ باوجود احتیاط شدید اور عام لوگوں کے سامنے خاموش رہنے کے طعن خلائق اور صاحب اقتدار اُمراء کی سختیوں سے نہ بچ سکے۔ زمانے کی جب یہ حالت ہو رہی تھی تو حضرت ابو بکر شبلی کا دامن اُن لوگوں کے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتا تھا۔ کیونکہ آپ تو مرشد کے روکنے پر بھی رموز باطن کو علانیہ علی رؤس الاشهاد اور برسر منبر بیان فرمایا کرتے تھے۔ حسین بن منصور حلاج کے نذر اجل ہونے کے وقت اراکین سلطنت کو عام صوفیوں کی طرف سے بدگمانی ہو گئی تھی۔ جن میں سب سے اعلیٰ مرتبہ آپ ہی کا تھا اور اُس وقت آپ کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ لوگوں کی پرکینہ نظریں سب سے زیادہ آپ ہی پر پڑتی تھیں۔ مگر اپنی عادت کے خلاف اُن دنوں آپ نے ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اور اُس فتنہ عظیم سے بچ گئے۔

مگر وہ خیر ایک خاص موقع تھا۔ آپ کی زندگی ہمیشہ ایسی بدگمانیوں کا ہدف بنی رہی چنانچہ خیال اور عوام کے ہاتھوں آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہمیشہ حقیقت کے

شور و شرمین مبتلا اور رد و قبول کے پچکولے برداشت کرتے رہے۔ اکثر لوگ آپ کے قتل کر ڈالنے پر آمادہ رہے۔ کیونکہ آپ کی بھی بعض باتیں حسین بن منصور حلاج کی باتوں سے ملتی جلتی تھیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ لوگوں نے راہ چلتے ڈھیلے مارے جن سے پاؤں اس قدر زخمی ہو گیا کہ چلتے تو زمین پر خون کے چھاپے بن جاتے۔ اس کا بھی ذکر ہو چکا ہے کہ زنجیروں میں باندھ کے بٹھائے گئے۔ غرض کہ کوئی بات اٹھ نہیں رہی۔

مگر پھر بھی آپ خوش نصیب تھے کہ سربراہ ایران سلطنت اور امرائے دولت کبھی آپ کی آزار رسانی پر نہیں آمادہ ہوئے۔ جیسا کہ دیگر بزرگان صوفیہ اور ائمہ دین کو پیش آیا تھا۔ آپ سے بعض مشائخ صوفیہ کو بھی اختلاف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو بکر یزدانی راہروی جو اسمیہ کے عالی مرتبہ مشائخ باطن میں تھے بقصوف کے ایک جہد اگانہ طریقہ کے بانی و جہد تھے۔ انھیں اپنی شاخ عراق خصوصاً ابو بکر شبلی وغیرہ کے طرز عمل اور آپ کی تعلیموں پر اعتراض تھا۔ مگر اس سے بجائے اس کے کہ عوام الناس آپ کے مخالف ہوں عراق اور بغداد کے شیوخ باطن خود ابو بکر یزدانی راہ کے خلاف ہو گئے تھے۔

لیکن خوشی ابو بکر یزدانی راہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت ابو بکر شبلی سے جو کچھ اختلاف تھا۔ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت جنید بغدادی کو تھا۔ چنانچہ فرماتے تھے مجھے ان لوگوں سے جو اختلاف ہے صرف اس بنا پر ہے کہ انھوں نے اسرار الہی کے رموز غیر متحقیق اور نا اہلوں پر فاش کر دیے۔ ورنہ جانتا ہوں کہ وہ مہتا۔ اُسے قوم ہیں۔ اور ان کی محبت کو میں قُربت الہی کا ذریعہ مستلزم دیتا ہوں۔

سلسلہ تکرۃ الاولیاء - ۶۸۸ - علم نجات الانس - ۱۷۸۸ -

سلسلہ طبقات الکبر سے - ۱۳۴۲ -

علیٰ بن القیاس شیخ ابو الحسن صوفی قوسنجی اور شیخ ابو بکر شبلی میں بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ بلکہ بالمشافہ بحث بھی ہوئی۔ مگر یہ اختلافات اُسی قسم کے تھے جیسے کہ بعض فقہاء کو دیگر فقہاء سے ہو کر تے ہیں جن میں کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اور جن کی نسبت یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اختلاف العلماء رحمہم"۔

اسی قسم کا اختلاف اُس عہد کے ایک شیخ ابو الحسن ثنی کو بھی شیخ ابو بکر شبلی سے رہا تھا جنھوں نے اپنے شاہد کے زمانے میں حضرت شبلی کو دیکھا تھا۔ اور آپ کے حلقہ درس کے قریب بکھڑے ہو کر روحانی تعلیم و تعلم کی کیفیت ملاحظہ کی تھی۔ تعلیمات کی ذیل میں ہم بیان کرتے ہیں کہ اُس عہد کے امام فرائض شیخ ابو بکر احمد بن موسیٰ مقری نے حضرت شبلی کے اس دعوے پر کہ علم کبھی منجبر منادی بھی ہو جاتا ہے اعتراض کیا تھا جس کا شبلی نے آیات قرآنی سے ایسا نمایاں ثبوت دیا کہ سوا خاموش ہو جانے کے کچھ نہ بوائے نہ تھی۔

اور سچ یہ ہے کہ اپنے روحانی جذبات کے گوش میں بعض اوقات آپ علم سفینہ اور کائنات کی جو مخالفت کر بیٹھا کرتے تھے اُس نے جماعت علماء کو آپ کی طرف سے ضرور بظہر کرنا پڑا ہو گا۔ دواست کو دیکھ کے کہنا کہ "اپنی سیاہی ہٹاؤ میرے لیے اپنے دل ہی کی سیاہی بہت ہے" یا یہ فرمانا کہ "جب وہ (علماء) اور اراق کا علم لے کے میرے آئینے آتے ہیں تو میں خرقہ کے علم سے اُن کا مقابلہ کرتا ہوں" علماء کی دل آزاری کے یہ میرے شاہد بھی بات نہ تھی جس میں اُن دنوں جبکہ حدیث کے لکھنے اور نقل کرنے کا

۱۱۶ باب ۱۱۶ فی مناقب شیخ ابو الحسن قوسنجی "فی جگہ تو سنجی" لکھتے ہیں۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰ نفی عن الانس ۲۱۱۔

۱۱۷۰ نفی عن الانس ۲۱۱۔ ۱۱۷۱ نفی عن الانس ۲۱۱۔ ۱۱۷۲ نفی عن الانس ۲۱۱۔

رواج ساری دنیائے اسلام میں اعلیٰ کمال دینی تصور کیا جاتا تھا۔
 لیکن یہ اختلافات اسی وقت تک تھے جب تک علما لوگوں سے سُن کے بغیر
 دریافت کیے مخالفت شروع کر دیتے۔ اُن میں سے اگر کبھی کوئی اصل حقیقت دریافت
 کرنے کی طرف مائل ہوتا اور خود آپ سے مل کے تحقیق کرتا تو فوراً اختلاف سے باز آ جاتا
 بلکہ آپ کا معتقد ہو کے واپس جاتا۔ چنانچہ ابن ہشام جو اُس زمانے کے بکمالوں میں
 تھے ابتداء حضرت شبلی کے اس قدر خلافت تھے کہ لوگوں کو آپ سے ملنے آپ کی صحبت
 میں آنے جانے۔ اور آپ کی تقریر سننے سے روکا کرتے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کے پاس
 آئے تاکہ آپ کے علم و فضل اور آپ کے اصول و عقائد کا امتحان کریں۔ پوچھا کیوں
 حضرت کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اُن کی زکوٰۃ کیا دے؟ اس سوال پر
 حضرت ابو بکر شبلی نے سکوت کیا تو ابن ہشام نے پُکار کر یہی سوال کیا۔ آخر شبلی نے کہا
 کہ از روئے شرع واجب تو ایک بکری ہے۔ مگر ہم سے لوگوں کے لیے لازم ہو کہ پانچ
 اونٹ زکوٰۃ میں دے دیں۔ ابن ہشام نے کہا اس مسئلے میں تمہارا کوئی امام بھی ہو
 یا ذاتی اجتہاد ہے؟ فرمایا ہمارا امام اس مسئلہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں
 نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اور جب آنحضرت صلعم نے دریافت
 فرمایا کہ اپنے عیال کے لیے کیا رکھا ہے؟ تو کہا اللہ اور اس کے رسول کو سکت
 جواب سُن کے ابن ہشام بچے کچھ کے سنے چپکے اپنے گھر واپس گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو
 حضرت شبلی کے پاس آنے سے نہیں روکا۔

بہر تقدیر حضرت شبلی سے اگرچہ بہت کچھ اختلاف کیا گیا۔ اور آپ کو مخالفت محبتوں

اور جماعتوں میں الزام دے گئے مگر آپ کے اصول توحید اور جذبات الہی پر کوئی مخالفت نہیں غالب آسکی۔ اور آخر عمر تک آپ اُن رموز وحدت اور اسرار معرفت کے حامل اور مبلغ رہے جو حضرت جنید بغدادی کی معرفت آپ کو اسلاف کرام سے پہونچے تھے۔ اور آپ کے ذریعے سے ہمارے عہد کے پاک باطن صوفیوں تک پہونچے ہیں۔

فیض یا بان صحبت و معاصر اور مرید

جو روحانی فیض حضرت جنید بغدادی سے دُنیا کے اسلام کو پہونچا جس کی اشاعت آج تک جاری ہے اور خدا نے چاہا تو رہتی دُنیا تک باقی رہے گی اُن کے سلسلہ کی ایک طوائف کو سی چونکہ حضرت شہلی بھی واقع ہوئے ہیں لہذا دیگر بزرگان سلف کی طرح آپ کا فیض بھی آج تک جاری ہے۔ اہر قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھیے تو تمام اسلامی خاندانوں کے چراغوں میں حضرت ابو بکر سنبل کے سینے کا نور بھی چمکتا نظر آئے گا۔ اسی طرح حقیقت شناسی کے کان موجودہ صوفیہ صافی طینت کی بہت سی اکثر اوقات شیخ شہلی کا نعرہ مستند بھی سن لیا کرتے ہوں گے۔ فیض یا بان کی وہ جماعت درکنار جسے بواسطہ یا بعد کے زمانوں میں آپ سے فیض روحانی پہونچا ہم اُن خوش نصیب اور بابرکت بزرگوں کا بھی شمار نہیں بنا سکتے جنہوں نے اپنی آنکھ سے آپ کا جمال جہاں آرا دیکھا اور آپ کے نورانی سینے کی شمع معرفت سے اپنے باطن کی شمعیں روشن کیں۔ ہاں اُن میں سوان چند مخصوص لوگوں کی فرست پیش کرتے ہیں جن کے نام ہیں علامہ سیر سے معلوم ہوئے ہیں یا جن کے مبارک نام آپ کے حالات کے سلسلے میں آگئے ہیں۔

ان میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو آپ کے معاصر تھے۔ آپ کی طرح وہ بھی اُس دور میں مقبول و مستند خیال کیے جاتے تھے۔ اور علوم باطن کی خدمت بجالا رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ انھیں آپ سے ملنے دیکھنے پاکستانی قسم کا تعلق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور دوسرے وہ بزرگ جو آپ کے مرید تھے آپ کی صحبت فیض میں شریک ہوئے تھے۔ اور آپ کے چہرہ فیض سے سیراب ہو کر مروج عالم اور مثالئے خلق قرار پائے تھے۔

اول الذکر قسم کے لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:-

ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد مرقی۔ علم قرأت کے مستند عالم تھے اور شیخ قرأت مانے جاتے تھے۔ ساتون قرأتوں سے واقف ہی نہیں مصنف بھی تھے۔ سلسلہ میں پیدا ہوئے حضرت ابوبکر شبلی سے ملے اور چونکہ شبلی علم سے ضرور ہی بچنے کے قائل تھے لہذا اعتراضاً کہا کہ علم سے فساد کہاں؟ اس کے جواب میں حضرت شبلی نے ایسی حیرت انگیز گفتگو کی کہ عرش عرش کر گئے سلسلہ میں سفر آخرت کیا۔ ابوعلی ثقفی حضرت ابوبکر شبلی کے معاصر اور آپ کے ہم پائے شاخ زمانہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا قیام خراسان کے مستقر شہر نیشاپور میں تھا حضرت شبلی نے اپنے ایک شاگرد کو جاسوسوں کی طرح خفیہ بھیج کے ان کے ایک سال کے حالات و کیفیات اور نیز ان کے کلمات و مواظبت منقول کرائے تھے۔ اور پھر ان کو ملاحظہ فرما کے رائے دی تھی کہ اس شخص کی باتیں تو علم حقائق میں معجزات ہیں مگر رات کا کلام روی اور فاسد ہے۔ اور پھر اس کے سبک بھی پتہ لگایا تھا۔ شیخ ابوعلی نوہ ہیں

کی عمر پائی۔ اور شب جمعہ ۲۳ ہجری ۱۱۰۱ء کو وہ نور و عالم بالا ہوئے۔
 جعفر خدّار حضرت حیدر بندہ کی کے اصحاب و ملازمین میں شمار کیے جاتے جنہوں نے
 ابو بکر شبلی کے معاصر شاخ میں تھے۔ شبلی کی زبان سے اکثر ان کی ثنا و صفات منی جاتی
 کیونکہ وہ ان کے کمال باطنی کے نہایت ہی معترف تھے۔ بہادر بن حسین جو اس
 عہد کے صاحب باطن شاخ میں تھے ان کو خود ابو بکر شبلی سے فضل اور زیادہ عالی تر
 بتایا کرتے۔ یہ سلسلہ میں دنیائے دنی کو چھوڑ کے عالم باقی اختیار کیا۔

ابو الحسن بن احمد بن سہل بونجی۔ بعض کتابوں میں بونجی کی جگہ قوشچی ہے۔
 حضرت شبلی کے معاصرین و اقران میں تھے۔ اور عقیدت کیشوگی ایک سٹری جامعہ میں
 فیض صحبت سے برکت حاصل کیا کرتی تھی۔ خراسان کے ایک عیا۔ یہ حقیقت جو ان
 تھے۔ ابو عثمان سے ملے عراق میں جا کے عطاء حریر سے فیض حاصل کیا۔ شام میں
 جا کے ظاہر مقدسی اور ابو عمر دمشقی کے ایسے علمائے باطن کی صحبت میں شریک
 ہوئے۔ بعض مسائل تصوف و خانہ دینی انھیں حضرت شبلی سے اختلاف تھا تاہم یہ نافرمانی
 اچھا۔ یہ سلسلہ میں دنیا کو رخصت کیا۔

آبو بکر عبداللہ بن طاہر البہری۔ حضرت شبلی کے معاصر اور اقران میں۔ تہذیب
 پائے کے لوگوں میں تھے۔ یوسف بن حسین رازی اور ابو محمد قرطبی کی سراپا فیض
 سے تھے۔ یہ برکت حاصل کی تھی۔ یہ سلسلہ میں وہ نور و عالم بالا ہوئے۔

آبو بکر زید بن ابی رزوی۔ حضرت ابو بکر شبلی کے ہم پایہ معاصرین اور مستند شاخ

۱۔ طبقات الشافعیہ للشیخ جلد دوم ۱۴۷۵ھ نواف الاثر ۲۷۵۔ ۲۔ طبقات الکبریٰ ۱۲۲

۱۔ طبقات الکبریٰ ۱۲۲۔ ۲۔

میں تھے یقیناً میں وہ ایک مجرا گاہ اور خاص طریقہ پر چلتے تھے
مشائخ عراق اور خاصہ حضرت ابو بکر شبلی سے ہمیں امور میں اختلاف
سے مشائخ عراق ان کے خلاف ہو گئے تھے۔

ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم مالک - ہمدان کے شاگرد اور مرید تھے۔ مگر شبلی کی زیارت
سے شرفیاب ہوئے تھے۔ کچھ اور سو برس کی عمر پائی۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس
سال انتقال ہوا۔

دوسری قسم کے لوگوں میں سے پہلے ہم آپ کے فرزند کا نام لیتے ہیں۔ اور
ان کے بعد دیگر بزرگوں کی طرف توجہ کریں گے۔ جن کا سلسلہ حسب ذیل ہے۔
یونس بن ابی بکر شبلی۔ یہ حضرت شیخ شبلی کے صاحبزادے تھے۔ جن سے آپ نے
خلوت کی کیفیت ہمیں معلوم ہوئی کہ رات بھر کوٹھے پر کھڑے رہے۔ اور صبح کو نکلتے
کی کہ سوا ایک فرسخ کے رات کو بچے کوئی اللہ کا یاد کرنے والا نہ نظر آتا۔ یونس کے
حالات ہمیں اور کمین نہیں مل سکے۔ لہذا ہم آپ کا کوئی واقعہ بیان کر سکتے ہیں۔
اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا کس سنہ میں انتقال ہوا۔

ابوبکر طستانی۔ ان کا اصلی وطن ارض فارس تھی۔ ابراہیم دبغ شیرازی اور
جناب شیخ شبلی کی صحبتوں سے فائدہ اٹھا کے اس اعلیٰ مرتبہ کمال پر پہنچ گئے کہ ہر پانچ
مشائخ زمانہ میں شمار کیے جاتے اور خود حضرت شبلی عزت کرتے تھے۔ سنہ ۵۷۰ھ میں
سفر آخرت کیا۔

لحمہ نفحات الانس - ۱۷۸ - لحمہ نفحات الانس - ۲۴۹ - لحمہ - تلخیص البلیس - -

لحمہ نفحات الانس - ۱۸۴ -

حسین بن محمود بن موسیٰ اسلمی۔ اعلیٰ درجے کے مشائخ میں تھے حضرت شبلی کو دیکھا تھا اور آپ کے دیدار سے برکت حاصل کی تھی۔ سن ۷۳۵ھ کے بعد جادہ پیائے آخرت ہوئے۔ جعفر بن محمد بن نصیر مکران خلجی خواص دنیوری۔ وطن دنیور تھا۔ مگر بغداد میں رہ کے حضرت شبلی کی خدمت کرتے اور ان کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے۔ شبلی کے آخر عمر میں ان سے اس قدر تعلقات بڑھے ہوئے تھے کہ مرض موت میں زیادہ تر خدمات یہی سجالائے۔ انھیں نے انھیں آخری وضو کرایا۔ اور اس اثنا میں زبان بند ہو گئی تو شبلی نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کے خود ہی ڈاڑھی میں مسح کر لیا۔ انھیں پر انھوں نے یہ راز بھی ظاہر فرمایا کہ ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہے اس کے عوض ہزار روں درہم دے چکا ہوں مگر اس کا بار دل پر سے نہیں ہٹتا۔ اور ان کے جنازے پر انھیں کے رونے کی آواز ہمارے کان تک آئی ہے۔ اس مبارک جسم بے روح پر ہزار ہا خلقت روئی ہوگی مگر ان کا رونا روایت سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے دو ہزار شاخ کے دربار پر فیض سے برکت حاصل کی تھی۔ اور سن ۷۳۵ھ میں آنکھوں کے سہرے ہو گئے۔

ابو الحسن بندار بن حسین بن محمد بن حملب شیرازی۔ اصول دین کے عالم اور محدث تھے۔ اور شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ یوں تو حضرت شبلی کے کمالات باطنی سے ہزار ہا آدمیوں نے فیض پایا ہوگا۔ مگر ان کو ان سب میں ایسا امتیاز حاصل تھا کہ خود مرشد یعنی حضرت شبلی اپنے اس جو یا نے حقیقت مرید کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ابو عبد اللہ خفیف جو ایک بڑے عالمی مرتبہ صوفی گزشتے ہیں۔

وہ انھیں کے مرید تھے۔ علوم ظاہر اور خاصۃً علم کلام میں ان کے تبحر کا بیان زیادہ کیا
ثبوت ہو سکتا ہے کہ امام المتکلمینؒ اس اشرفین حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے شاگرد تھے۔
شیخ ابوالحسن اشعریؒ کو جو شہرت و ناموری حاصل ہو محتاج بیان نہیں آیا کی خدمت
میں جہنیت شاکر نہیں بلکہ خادم کی طرح رہے۔ پھر کمال روحانی حاصل کرنے پر حضرت شبلیؒ کی
طرف رجوع کیا۔ اور آپ کی سربراہ فیض صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ یہ بھی اُن چند
غوش نصیب عقیدت کیشوں میں تھے جن کی حضرت شبلیؒ تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ اور
بے شک یہ بزرگ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے مخصوصین میں
تھے۔ ۳۷۹ھ میں وفات پائی۔

ابو سیل محمد بن سلیمان بن ہارون بن عیسیٰ بن ابراہیم بن بشیر حنفی صعلوکی۔ ائمہ
نصوف نقشب اہل علی نقشب وغیرہ سے فیض روحانی حاصل کیا تھا حضرت ابوبکر شبلیؒ سے
بہت زیادہ فیض یاب ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اپنے زمانہ قیام بغداد میں میرا
کوئی ہفتہ حضرت شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے خالی نہ جاتا تھا۔ کبھی میں کچھ
پوچھتا اور کبھی خالی بیٹھ کے چلا آتا۔ ایک دن شیخ شبلیؒ ابوالحسن مروری سے ملنے کو گئے۔
اتفاقاً وہاں میں بھی بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کے اُن سے کہا کہ یہ مجھ سے لوگوں
میں ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو ہمارے لوگوں میں ہے۔ ابو سیل کا علم و فضل اس قدر مسلم
تھا کہ دوست دشمن سب ماننے اور تعظیم کرتے تھے۔ بعد جا کے نیشاپور میں سکونت
اختیار کی جہاں منگل کے دن ۱۵ ذی قعدہ ۳۷۹ھ کو آغوشِ لحد کے پردے کیے گئے۔

۱۹۰۔ طبقات الشافعیہ لکھی علیہ دوم۔

۲۱۵۔ نفحات الانس۔

۲۱۵۔ نفحات الانس۔ ۲۱۵۔ طبقات الشافعیہ لکھی علیہ دوم۔ ۱۶۲۔ نفحات الانس۔ ۲۸۵۔

ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادی خراسان کے محترم شیوخ میں تھے۔ شیخ ابوبکر شبلی اور نیز ابوعلی رودباری اور قرطس کے ایسے صاحب کمال صوفیہ اور علمائے اہل کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا حضرت شبلی کی وفات کے بیس برس بعد ۳۲۵ھ میں وطن مالوف نیشاپور کو خیر باد کہہ کے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ہجرت کر کے وہیں اقامت گزین ہو گئے۔ انھیں یہ الطائفہ جنید بغدادی کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ چارہ پائے طریقت ہونے کے علاوہ علوم ظاہر کے بھی مستند عالم تھے۔ علم حدیث میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور کثیر سے روایت حدیث کیا کرتے تھے۔ مگر ابوجو اس کے کہ علم حدیث میں اس قدر توغل تھا۔ اور عالی مرتبہ محدث تسلیم کیے جاتے تھے انھیں سماع اور حال و حال کی صحبتوں سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی میں یاد پر ان سے اور ابو عمرو بن نجید سے بحث ہو گئی جس کا ہم اس سے پیشتر تذکرہ کر چکے ہیں۔ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں نشو و نما ہوا۔ اور ۳۲۵ھ میں خاص مکہ معظمہ میں وصال ہوا۔ مگر علامہ قشیری کی روایت زیادہ مستند ہو جو فرماتے ہیں کہ ۳۲۵ھ میں وصال ہوا۔ اور اسی مقدس زمین میں آغوشِ محد کے سپرد کیے گئے۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن حمدون الفراء نفحات الانس میں مولانا جامی نے ان بزرگ کی کثرتِ بجا سے ابو عبد اللہ کے ابو بکر بتائی ہے۔ خراسان و نیشاپور کے عالی مرتبہ بزرگانِ دین اور علم الثبوت اولیاء اللہ میں تھے۔ ابوعلی نقی بن عبد اللہ بن منازل ابو بکر بن طاہر۔ اور حضرت ابو بکر شبلی وغیرہ قبول و مرین عالم مشائخ کے چہستانِ معارف

سے گلچینی کی تھی۔ اور اس رتبہ کو پہنچ گئے تھے کہ کتنا عرصہ تصور کیے جاتے۔
 سلسلہ میں دنیائے ناپائدار سے رخصت ہو کے رہ نور عالم آخرت ہوئے۔
 ابو الحسن علی بن ابراہیم حضری۔ ان کا خاندان بصرہ کا تھا۔ مگر بغداد میں اقامت
 اختیار کر لی تھی شیلی۔ کہ خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اور انھیں کے ذریعے سے حضرت
 ابو بکر شیلی کا سلسلہ فیض جاری ہوا۔ یہ سب پہلے پہل مرید ہوئے ہیں تو معمول تھا
 کہ ہر جمعہ کو جناب شیلی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اور مرشد کی تاکید تھی کہ
 اس درمیان میں اپنی جمعہ سے جمعہ تک خدا کے سوا کسی اور کا خیال بھی نہ تھارت
 دل میں گزر جائے تو انھیں میرے پاس آنا حرام ہے۔ آخر جب علوم باطن میں ترقی
 کی تو اس درجہ کو پہنچ گئے کہ لوگ کہتے ہیں عجیب حالت تھی اور عجیب گفتگو
 اور سارے عراق کے شیخ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت شیلی سے اگرچہ ہزار ہا خلقت
 فیض یاب ہوئی مگر اور سب کو صرف باتین سنا نصیب ہوئی تھیں۔ انھیں خاص
 طور پر شاگردی کا خلعت عطا ہوا شیلی ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی
 و فور محبت سے فرما دیا کرتے جیسا میں دیوانہ ہوں ویسے ہی تم بھی ہو۔ یہی ان کے
 علم و فضل کے وارث ہوئے۔ اور ان کی جگہ نجادہ نشین ہوئے۔ فقہ حنبلیہ کے
 پیرو تھے۔ اور جمعہ کے دن ماہ ذی الحجہ سلسلہ میں سفر آخرت کیا۔

ابو عبد اللہ بن ابی ذہل یہ ایک خراسان کے صاحب دل اور صاحب دست
 بزرگ تھے۔ کمال روحانی کے ساتھ عالم فقہ تھے اور روایت کی کارکردگی چار سال تک حضرت شیلی کی خدمت
 کی۔ مگر ادب و تعظیم کا اس درجہ نفاذ تھا کہ انھوں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی کلام

سے طبقات الکبریٰ ۱۴۶، فقہات الاسلام ۸۵، طبقات الکبریٰ ۱۳۵-۱۳۶، اللغات فیض الاسلام ۲۲۔

نہیں کیا۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر حضرت شیخ جو جواب دیتے اُسی سے یہ بھی فیض و برکت حاصل کرتے۔ انہوں نے بہت سامان بھی حضرت شبلی کی نذر کیا تھا۔ جس کی وجہ سے شیخ شبلی ان کو "جوادرِ اسان" کہا کرتے تھے۔ بے سمجھے حال آنے پر جو بعض ہوتا ہے اُس کا شافی جواب جو کسی کے پوچھنے پر حضرت شبلی کی زبان فیضِ ترجمان سے ظاہر ہوا تھا وہ ہمیں انھیں کی عنایت و روایت سے معلوم ہوا۔ **اصغرؒ** کے بعد کو ابو عبد اللہ بن ابی ذہل نے سفر آخرت کیا۔

ابو الحسن محمد بن احمد بن اسماعیل بن سمون جو عموماً "ابن سمون" کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ابو بکر شبلی کے زمانے میں ان کا بچپن تھا۔ ایک دن ایک بُر مکلف بائگی ٹوپی پہنے ہوئے بغداد کی جامع مسجد میں گئے۔ حضرت شبلی اپنے مقتدرین کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ پاس سے ہو کے گذر کر جناب شیخ کو سلام نہیں کیا۔ شبلی نے ان کی پشت دیکھ کے اپنے خادم ابو بکر اصفہانی سے فرمایا "جانتے بھی ہو کہ اس بچے میں خدا کے کیسے کیسے ذخیرے جمع ہیں۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور ان کا علم و فضل اس درجے کو پہنچ گیا کہ "الناطق بالعلمۃ کے محترم لقب سے مشہور ہوئے۔ **سیدہ** میں سفر آخرت کیا۔

ذریعہ نقلی بن علی۔ المقدر باللہ عباسی نے اس قابل و نیک مشرب شخص کو لکھنؤ میں دمشق سے بلوا کے خلعت و وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ مگر چند ہی روز بعد لکھنؤ میں جب کس تو خلافت کا رنگ بگڑا دیکھا تو استیفا دے دیا۔ کیونکہ اس تو پہلے ہی سے خلیفہ کے خادموں اور حرم کی عورتوں، خاتون امیر المومنین کی والدہ محترمہ کے

اختیار کرو۔ لوگوں کے درمیان سے اپنا نام مٹا دو۔ اور دیوار کی طرف منہ پھیر کے بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ موت آ پہنچے۔" اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کسی نے اس نصیحت پر عمل کیا ہو (اور ہمیں یقین ہے کہ ابوالعباس و امثالی نے ضرور عمل کیا ہوگا) وہ کمالات روحانی میں کس درجے پر پہنچ گیا ہوگا۔

ابو عبد اللہ رازی ابتداء حضرت شبلی کی صحبت سے فیض اٹھاتے تھے پھر شہر نیشاپور میں جا کے اقامت گزین ہو گئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہیں ایک صاحب کی فیاضی سے ایک صوف کا کپڑا پہننے کو مل گیا تھا۔ اُس کے بعد انھوں نے حضرت ابو بکر شبلی کے سر پر ایک اچھی ٹوپی دیکھی۔ اور دل میں کہا یہ ٹوپی میرے کپڑے کا جوڑ ہے۔ میرے پاس ہوتی تو کیا اچھا تھا۔ حضرت شبلی ان کے دل کی حالت پہچان گئے۔ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ اور وہاں ان کا صوف کا کپڑا اور اپنی ٹوپی دونوں کو ایک مین لپیٹ کے آگ میں رکھ دیا۔

استاد ابو علی و قاتی۔ نامی گرامی صاحب دل تھے حضرت شبلی کے مرید ابوالقاسم نصر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور انھیں کی بارگاہ معرفت کے فیض یایوں میں ان کا شمار ہے۔ پناہ جو فتنے میں کہ میں نے علم تصوف کو نصر آبادی سے انھوں نے شیخ ابو بکر شبلی سے انھوں نے جنید بغدادی سے انھوں نے سری سقطی سے۔ اُنھوں نے معرفت کو خیر سوار انھوں نے۔ اودطائی سے چاہل کیا جو تابعین یعنی صحابہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے فیض اٹھانے والوں میں تھے۔ انھیں سے مروی ہے کہ شبلی شب بیدار رہا کے لیے آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگا کر رہے تھے لیکن

عبدالرحمن خراسانی جن خراسانی لوگوں کو بغداد میں حضرت شبلی کی صحبت نصیب ہوئی اور ان سے فیض پہنچا ان میں یہ بھی تھے۔ انھیں کا بیان ہے کہ کسی نے حضرت شبلی کے دروازے پر دستک دی۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل آئے اس نے ان کا نام لے کے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟" کہا "وہ کافر مرا خدا اس پر رحم نہ کرے۔" ایک دفعہ شبلی جوہن آئے خود ان سے پوچھ بیٹھے تھے کہ "شبلی کے سوا کسی اور کو بھی کبھی اللہ کہتے دیکھا ہے؟" انھوں نے بے تکلفی سے کہا "شبلی کو تو کبھی بھی اللہ کہتے نہیں سنا۔" اس جواب نے ایسا اثر کیا کہ شبلی عیش کھا کے گر پڑے۔

شیخ احمد اسرا بادی حضرت شبلی کی صحبت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور خراسان کے شیخ باطن تسلیم کیے جاتے تھے۔ ایک دن شبلی نے اپنے ہاتھ سے ان کی شارب کھول دی تھی یعنی لبین کتر دی تھیں۔ اس کو اپنے لیے اتنا بڑا سرمایہ برکت خیال کیا کہ پھر کسی کو موچوں میں ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ یہ ایک عجیب حیرت انگیز اور حد شرع سے گزرا ہوا واقعہ ہے۔ مگر فقرا اور صاحب باطن لوگوں سے کبھی کبھی ایسی چیزیں ضرور ہو جایا کرتی ہیں۔ جو ان کے سچے جوش اور نیت خیر کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ جل شانہ کی دگاہ میں قابل معافی ہوں گی۔

آبہ مقاتل احمد بن مقاتل علی حضرت شبلی کی صحبت فیض سے اکثر برکت حاصل کیا کرتے۔ انھیں نے ان کو مویچے سے بھوؤن کے بال اکھاڑتے دیکھ کے سوال کیا تھا۔ اور یہی ایک مرتبہ صفت میں شبلی کے برابر کھڑے ہوئے تھان پڑھ رہے تھے کہ امام کو آئیکرمیہ لکن شہناکذکھن بالادی اوحینا الیک سن کے وہ بے اختیار ہو گئے۔ اس

زیادہ ان بزرگ کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

ابو المحسن مروارودی۔ مرد کے رہنے والے تھے۔ اور بغداد میں صحبت شبلی سے فیض اٹھاتے تھے۔ انھیں نے پوچھا تھا کہ ”اکرم الاکرمین“ (سب فیاضوں سے بڑا فیاض) کون ہے؟“ فرمایا ”وہ جس نے کسی خطا پر ایک شخص کو معاف کر دیا تو پھر اس گناہ کی وجہ سے کسی پر عذاب نہ کرے گا۔“

ابو بکر صیدلانی۔ یہ بھی خاک فارس سے ظاہر ہوئے۔ اور عراق و بغداد میں اس کے حضرت شبلی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ جناب شیخ شبلی ان کی بھی تعظیم و تکریم کیا کرتے۔ مگر آپ کے بعد واپس جا کے نیشاپور میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔

جان انتقال کیا۔ اور آغوشِ حید کے سپرد کیے گئے۔

ابو محمد ہروی حضرت شبلی کے انتقال کے وقت یہ اکثر حاضر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ شب وصال کو رات بھر موجود رہے۔ اور کہتے ہیں کہ شبلی کا ساری رات یہ عالم تھا کہ بار بار دو شعر پڑھتے جو وفات کے حالات میں بیان کیے جائیں گے۔

”بکیر و نیوری آپ کے مرید اور آپ کے خادم تھے۔ مرض موت میں آپ کے پاس حاضر تھے۔ انھیں سے آپ کے انتقال کے چند حالات مروی ہیں۔“ ان کا سنہ وفات ہمیں نہیں معلوم ہو سکا۔

ابو بکر اصفہانی۔ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت ابو بکر شبلی کے خادم تھے۔ اس کے سوا ان کا اور کچھ حال نہیں معلوم ہو سکا۔

۳۳ نفحات الانس۔ ۳۴ نفحات الانس۔ ۱۶۹۔ ۳۵ رسالہ تشبیر۔ ۱۷۹۔

۳۶ روض الریاحین۔ ۱۹۰۰۔ ۳۷ نفحات الانس۔ ۱۷۷۔ ۳۸ نفحات الانس۔ ۲۲۱۔

فاطمہ نیشاپوریہ۔ یہ خاتون بھی حضرت شبلی کے فیض روحانی سے بہرہ و یاب ہوئی تھی۔ اور غالباً آپ کی خادمہ تھی۔ جب حسین بن منصور حلاج کی نسبت علما نے قتل کا فتویٰ دیا ہے اور اُن کی نسبت لوگوں میں طرح طرح کے خیالات مشہور ہوئے ہیں تو حضرت ابو بکر شبلی نے اس خاتون کی معرفت اُن سے چند سوالات کے جواب طلب کیے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ چند اور محترم نام بھی ہیں جن کے مختصر حالات بھی ہمیں نہیں معلوم ہو سکے۔ مگر آپ کی صحبت فیض میں کہیں نہ کہیں ضرور نظر آ گئے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ اُن کے قابل قدر ناموں سے بھی ہم ناظرین کو محروم نہ رکھیں۔ لہذا اُن کی مختصر فہرست بھی پیش کیے دیتے ہیں (۱) احمد بن محمد بن زید جھین آپ نے عارف کی شان بتائی تھی۔ (۲) محمد بن محمد بن عبد الوہاب جن کے سامنے آپ فرمایا کہ معرفت کیا چیز ہے۔ (۳) منصور بن عبد اللہ جن کو آپ سے معلوم ہوا کہ شان محبت کیا ہے۔ (۴) ابو علی مخاضی جھون نے اپنے اوپر آیات قرآنی کے اثر دن کو حضرت شبلی کے سامنے بیان کر کے جواب شافی پایا۔ (۵) عبد اللہ بن علی جن سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ سماع نے شبلی پر کیا اثر کیا تھا۔ (۶) ابو عمران جو علما۔ ۷ زمانہ میں تھے شبلی کے حلقہ فیض کے برابر جامع بغداد میں بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے اور جو ایک مسئلہ فقہی میں حضرت شبلی کی تحقیقات سن کے حیران ہو گئے تھے۔ (۷) ابو بکر رازی جن سے روایت ہے کہ شبلی نے علما کے علم کو باعث فساد بھی خیال کیا۔ (۸) ابوالحسن بیتی جھون نے ایک بار حضرت شبلی کو مستانہ وار چند اشعار پڑھتے سنا۔ (۹) طاہر بنی ان سے بھی شبلی کی شعر خوانی

عہ لٹری ہٹری آف پرنٹیا مصنفہ بڑون۔ جلد اول صفحہ ۴۳۴۔

مروی ہے۔ (۱۰) ابن بشار جو لوگوں کو شبلی کی صحبت میں آنے سے روکتے تھے اور پھر ایک مرتبہ مل کے ایسے معتقد ہوئے کہ اس سے باز آگئے۔ (۱۱) حسین بن منصور حلاج جو علما کے حکم سے قتل ہوئے۔ اور جن کا مختصر حال حضرت جنید کی سیر میں لکھا جا چکا ہے۔ (۱۲) شیخ ابو زرعہ رازی۔ (۱۳) شیخ ابو نصر قیانی (۱۴) حسین بن احمد غفار جن کے ہاتھ میں دو ات و یکھ کے شبلی نے فرمایا تھا کہ اپنی سیاہی ہٹاؤ۔ ان کے سوا اور خدا جانے کتنے گران پایہ معاصر و فیض یابان صحبت ہوئے جن کے نام ہم نہیں جانتے۔ مگر اس فہرست کے خاتمہ پر ہم فاتحہ اور دُعائے مغفرت میں انہیں بھی شریک کر کے درگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں کہ ”خداوند! اپنے فضل و کرم سے تو ان سب کی مغفرت کر۔ اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلا۔“

وفات

مومن کی وفات کیا۔ ایک قیدی تھا جو قید خانہ سے بچھوٹا اور آزمائش گاہ دُنیا کے آلام و مصائب سے اُسے نجات مل گئی خصوص اُس مومن پاک طینت کی وفات جو ”موتوا قبل ان تموتوا“ کے سچے اصول پر عمل کر کے اپنی ہستی پہلے ہی مٹا چکا ہو۔ اور توحید کی دُھن میں فنا ہو کے ایسا مٹ گیا ہو کہ اُسے اپنی زندگی و موت کا امتیاز ہی نہ باقی رہا ہو۔ مگر لوگوں کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ولی کامل اور مست جام الست کی موت کیسی ہو کرئی ہے۔

شیخ ابو بکر شبلی کی موت بھان کی نظر میں نہیں صرف ہمارے خیال میں موت ہے۔ نہایت ہی اطمینان و سکون کی موت تھی۔ وصال کا زمانہ قریب آیا تو بار بار

زبان مبارک سے یہ کلمات نکل جاتے کہ بہت سے مقامات ہیں کہ اگر وہاں میں مردوں
تو لوگوں کے لیے ایک عذاب و مصیبت ہو جائوں۔ جس دن سفر آخرت کیا ہو اس سے
پہلی شب کو ساری رات بار بار یہ شعر زبان سے نکل جاتا تھا۔

وَجْهَكَ الْمَأْمُولُ يَحْتَسِبُنَا يَوْمَ تَأْتِي النَّاسُ بِآلِحِهِ
تیرا چہرہ جو امید گاہ ہے اُس روز ہماری حجت ہو گا جس دن سب لوگ اپنی
اپنی محبتیں لے کے حاضر ہوں گے۔

ابو محمد ہروی جو آپ کے باصفا عقیدت کشوں میں تھے فرماتے ہیں کہ اس شب کو
میں صبح تک پاس بیٹھا رہا۔ اکثر انھیں دو شعر پڑھتے سنتا تھا جن میں دوسرا شعر
تو یہی ہے اور پہلا یہ تھا کہ۔

كُلُّ بَيْتٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إِلَى الشَّامِ
جس گھر میں تو رہتا ہو اُسے چراغ کی ضرورت نہیں یعنی تیرا رخ روشن چراغ
کا پورا کام دے دے گا۔

اس موقع پر آپ کی ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی جو آپ کے روحانی کمالات
کے دیکھنے قابل حیرت نہیں۔ آپ کے خادم اور مرید نگیر کہتے ہیں حضرت ابو بکر شبلی
مرض موت میں مبتلا تھے کہ اتفاقاً جمعہ کا روز آیا۔ اور مرض میں گویہ تخفیف اُڑا
آئی۔ بچھلے سے اُٹھے۔ اور دینداری کے جوش نے اتنی طاقت پیدا کر دی کہ چھپر
سہا۔ اوسے کے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے کہ نماز جمعہ میں شریک ہوں۔
کتب فروشوں کے بازار تک پہنچے تھے کہ ایک تازہ وارد شخص راستہ میں ملا

جو رُصافہ سے آیا ہوا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا ”کل مجھے اس شخص سے ایک سابقہ پڑے گا۔“ مین نے اس بات کا کوئی خیال بھی نہیں کیا۔ اور اُنھیں جامع مسجد میں لے جا کے نماز پڑھائی۔ پھر گھر میں واپس لایا۔ خدا کی قدرت اُسی رات کو اُن کا انتقال ہو گیا۔ اور کسی اچھے غسل دینے والے کی تلاش ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ بھتیوں کے محلہ میں ایک نیک نفس و پرہیزگار شخص ہے جو غسل میت دیا کرتا ہے۔ مین فوراً اُس کے لانے کو روانہ ہوا۔ اور لوگوں نے مجھ اُس کے دروازہ پر لچا کے کھڑا کر دیا۔ مین نے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی اور بہ آواز بندہ کہا ”السلام علیکم“ فوراً اندر سے یہ آواز آئی ”کیا شبلی کا انتقال ہو گیا؟“ مین نے کہا ”ہاں“ یہ جواب سنتے ہی وہ باہر نکل آیا۔ اب جو صورت دیکھتا ہوں تو وہی شخص ہے جس کی طرف کل حضرت شیخ نے اشارہ کیا تھا دیکھتے ہی میرا دل پر کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ بے اختیار منہ سے نکلا ”لا الہ الا اللہ“ اُس نے بھی کہا ”لا الہ الا اللہ“ پھر پوچھا ”آپ کو حیرت کس بات پہ ہے؟“ مین نے کل کی ساری سرگشت بیان کی اور پوچھا ”آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کیونکر معلوم ہو گئی؟“ اُس نے کہا ”عجب احمق ہو۔ آخر شبلی کو آج کے سابقے کی کیونکر اطلاع ہو گئی تھی۔؟“

جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی اور وصال کی گھڑی سر پر آگئی تو آپ کی بقراری بڑھی۔ وہ فنایت جو مخلوقیت کی طرف آنے ہی نہ دیتی تھی ذرا کم ہوئی کیونکہ ضرورت تھا کہ آپ کو جام مرگ پلایا جائے اور اُس کے مزے کو آپ چکھیں۔ اس حالت میں آپ کو اپنی انسانیت اور معاصی کا خیال آیا۔ فرمایا ”دو ہوائیں چل رہی ہیں

ایک لطف کی اور دوسری قدر کی جس پر لطف کا جھونکا چل گیا وہ مقصود تک پہنچ گیا۔ اور جس پر قدر کی ہو چل حجاب میں گرفتار ہو گیا۔ دیکھیے اب اس وقت ہوئے لطف آتی ہے یا ہوئے قدر۔ اگر ہوئے لطف کا جھونکا آیا تو اس کی امید پر ہر طرح کی سختیاں اور ساری نامرادیاں برداشت کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر کمین ہوگا قدر چل گئی تو گیا گزرا ہوا۔ اس کی آفت کے سامنے کسی سختی اور بلا کی ہمتی نہیں۔ اب نزع کا عالم طاری تھا۔ لوگوں نے کہا: "کیے لا الہ الا اللہ" جواب میں ایک نظم پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ "سلطان محبت رشوت نہیں قبول کرتا۔" لیکن باوجود اس محبت اور دریائے توحید میں غرق ہونے کے دینداری کی حس اس قدر صحیح تھی کہ بیمار داروں کی طرف دیکھ کے فرمایا "ایک درہم کا مظلمہ مجھ پر باقی ہو اس کے لیے ہزار دن درہم خرچ کر چکا ہوں۔ مگر دل پر سے اس کا بار نہیں ہٹتا۔"

چونکہ سب کو آپ کے انتقال کا یقین ہو گیا تھا اس لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے کہ تجیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہوں۔ اس امر کو آپ سمجھ گئے اور ان لوگوں کو دیکھ کے فرمایا "عبرت کی بات ہے کہ مُردوں کی جماعت زندہ کی نماز پڑھنے کو آئی ہے۔ حقیقت شناسوں کے نزدیک یہ دنیوی زندگی موت ہے اور اس عالم کی ابدی زندگی حیات یہ یقین آخری سانس تک آپ کے دل میں تھا۔ اور واقعی اس حملہ کا حاضرین پر بڑا اثر پڑا ہوگا۔"

اب آپ کو معلوم ہوا کہ خدا کے پاس جانے اور دربار رب اعزت میں حاضر ہونے کا وقت آگیا جعفر بن نصیر کران دنیوری کی طرف دیکھ کے فرمایا "مجھے وضو کراؤ۔"

انھوں نے فوراً تعمیل ارشاد کی مگر ڈاڑھی میں حلال کرنا بھول گئے۔ لیکن اتنی دیر میں آپ کی زبان بند ہو چکی تھی جعفر کا ہاتھ بڑکے خود ہی حلال کرالیا۔ اب جو دیکھا تو بالکل ہی آخری وقت تھا۔ جعفر بے اختیار رونے لگے اور ایک آہ کے ساتھ کہا: "اُس شخص کا کیا کہنا جس نے مرتے دم تک آداب شریعت میں سے ایک چیز بھی نہیں چھوڑی؟"

اب اس وقت کلمہ توحید کی تلقین کرنی چاہی اور عرض کیا کہ کہیے "لا الہ الا اللہ" زبان نے اتنی یاری دی کہ فرمایا "جب غیر ہی نہیں تو نفی کس کی کروں؟" لوگوں نے عرض کیا "حکم شریعت یونہی ہی ہے۔ آپ کلمہ پڑھیں۔" پھر وہی پہلا جواب دیا کہ سلطان محبت کہتا ہے میں رشوت نہ قبول کروں گا۔ اس وقت کسی شخص نے زیادہ بلند آواز سے کہا کہیے "لا الہ الا اللہ" بولے "ایک مرد، زندہ کو تلقین کرتے آیا ہے؟" ایک ذرا خموشی رہی۔ اور ایک گھڑی بعد لوگوں نے پوچھا "اب مزاج کیسا ہے؟" فرمایا "محبوبے جا ملا" اور اسی فستک پر روح نقس عصری سے پرواز کر گئی۔
اتابہ وانا لیربرا جئون۔

۳۳۳ء میں برس پورا ہونے کے ساتھ ہی آپ کی عمر بھی پوری ہو گئی۔ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے کو دو ہی دن باقی تھے کہ جمعہ کا دن آگیا۔ اس سال کے اندر آپ دوسرا جمعہ ملنے کی امید نہ تھی لہذا آپ نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا فرمائی اپنی میت نملانے والی کی صلوٰۃ دکھائی اور دن کے ختم ہوتے ہی نیلے پڑھوا فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے بمقابل اپنے مرشد حفید بغدادی اور دیگر شاخ زمانہ کے بہت

زیادہ عمر پائی۔ کیونکہ ۸۷ برس جیے۔ اور بغداد کے مقبرہ خیران میں دفن ہوئے۔
 لوح تربت پر آپ کا نام جعفر بن یونس کندہ تھا۔ مگر اکثر علماء سیرۃ نے
 آپ کا نام ولہ بن جعفر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں نام ہوں۔ جیسا کہ ہم ابتدا
 میں بیان کر چکے ہیں۔ آپ کے مزار کی نسبت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ فی الحال
 کس حالت میں ہے۔ اور آج کل بغداد میں قبرستان خیران کا بھی پتہ ہی نہیں
 لیکن قدیم الایام میں مدت دراز تک پتہ لگتا ہے کہ لوگ زیارت کو جاتے اور روحانی
 فیض و برکت حاصل کرتے تھے۔

اکثر بزرگان دین اور اہل طریقت نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو
 خواب میں دیکھا۔ مگر وہ ان بھی وہی شان جوش و خروش اور ذوق و شوق کے
 جذبات نظر آئے۔ چنانچہ ایک شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی تو اس نے
 پوچھا ”آپ نے آخرت کے بازار کو کیسا پایا؟“ فرمایا ”بالکل بے رونق۔ سوا جلے
 ہوئے کلیجوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے کچھ نہیں نظر آتا۔ وجہ یہ کہ یہاں تو جلے
 کلیجوں پر مرہم رکھا جاتا ہے۔ اور شکستہ دل جوڑے جاتے ہیں۔ پس اس کے
 سوا یہاں دالوں کا اور کوئی کام ہی نہیں۔“

ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا ”منکر و نکیر سے کیونکر بچیں؟“ بولے
 ”انھوں نے پوچھا تیرا خدا کون ہے؟ میں نے کہا وہ جس کے حکم سے تم نے اور تمام
 فرشتوں نے میرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا میں انھیں آدم کے

۱۔ ابن خلکان۔ حیدر اول۔ ۲۲۵۔ ۲۔ نجات الانس۔ ۱۷۴۔ ۳۔ طبقات الکبریٰ۔ ۱۲۲۔

۴۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ۲۰۸۔

صلب میں تھا اور یقین دیکھ رہا تھا۔ یہ جواب سن کے وہ بولے اس نے تو ساری نسل آدم کی طرف سے جواب دے دیا۔

کسی اور نے دیکھا تھا۔ پوچھا ”اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“ فرمایا ”اُس نے ایسی پونچھ گچھ کی کہ میں مایوس ہو گیا تھا۔ اور مجھے کوئی امید بچات نہیں نظر آتی تھی۔ لیکن آخر کو جب میری اس دیکھی تو اپنے آنکوش رحمت میں لے آیا۔“

اسی طرح ایک اور صاحب نے آپ کو خواب میں دیکھ کے یہی سوال کیا کہ ”خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“ تو نے باوجود اُن تمام دعوؤں کے جو مجھ پر ظاہر ہوا کرتے تھے اُس نے کسی بات کا مطالبہ و محاسبہ نہیں کیا۔ لیکن ایک روز میں کہ بیٹھا تھا اس سے بڑھ کے کوئی نقصان نہ ہوگا کہ تو بہشت سے باز رہے اور دوزخ میں جائے۔ میرے اس فقرے پر عتاب کیا۔ اور ارشاد فرمایا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ میرے دیدار سے محروم نہ ہوں اور مجھ ہوں۔“

آپ سترہ مہینہ پہنچا ہوئے تھے جس سال کہ خلفائے عباسیہ میں سے المتوکل علی اللہ مارا گیا اور المنتصر نے سرِ خلافت پر قدم رکھا۔ اور وفات سترہ مہینہ ہوئی جس سال کہ المستنصر بالله سرِ خلافت سے ہٹا مارا گیا۔ اور الطیع بن قنوج خلافت پہنچا۔ اس ستاسی برسوں میں خلافت پہنچے بڑے بڑے کھائے تھے۔ آل عباس کے بارہ ہاشمی خاندان تخت پر بیٹھے اور اترے خصوصاً آپ کی ولادت کے زمانے میں ایسی عسرتیں تھیں کہ ہر گز تھکے کہ جب تک آپ نو برس کے ہوئے ہوں چار خلیفہ تخت سے جدا ہو چکے ہوں۔

اس کے بعد تخت و تاج خلافت کو ذرا استقلال چل ہوا تھا۔ مگر آپ کے آخر زمانے میں یعنی ۳۳۷ھ اور ۳۳۸ھ میں عباسی تاجدار تخت سے اتارے اور کمال بے رحمی سے اندھے کیے گئے۔ اول الذکر سال میں قیہ ہوا کہ خلیفہ المتقی لشکر گشتیوں پر مبرا ہو کر رقبہ سے بغداد آ رہا تھا۔ سند یہ نام ایک مقام میں ٹھہر گیا۔ اور ترکوں کا امیر عظیم تورون جسے المتقی نے امیر الامرائی کا خلعت پہنایا تھا تجدد عہد کے بہانے ہند یہ میں آ کے اُس سے ملا۔ جہاں علم نام ایک عورت کی سازش سے اُس نے خلیفہ کی آنکھوں میں مسلائی پھیر دی۔ اور اُسے اندھانہ کے لشکری باندہ کے ہاتھ پر بغیت کر لی۔

تورون تو دوسرے سال یعنی ۳۳۷ھ کے شروع ہی میں مر گیا۔ لیکن اب بغداد پر مغرالدولہ بن بویہ کا عمل دخل تھا جس کے آتے ہی مارے ڈر کے خود خلیفہ المستکفی چھپتا پھرتا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ وحشت کم ہوئی۔ خلیفہ مغرالدولہ سے ملا ہیبت لی۔ اور اُسے دوست بنا لیا۔ مگر اہل بغداد پر سب سے بڑی یہ آفت نازل تھی کہ خود مغرالدولہ تو خلیفہ کا ہمان ناخواندہ بنا ہوا تھا۔ اور اُس کے لشکر ہی جبراً و قہراً عیا کیا۔ بغداد کے ہمان بنائے گئے تھے۔ جس آفت سے بغداد والوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں اُسی عورت علم نے جو اب المستکفی کی نفس ناطقہ اور دبا پر چھائی ہوئی تھی ایوان خلافت میں ولیوں اور ترکوں کی ایک دعوت کی۔ نیک مغرالدولہ کو یہ بدگمانی ہوئی کہ علم فرج والوں کو میرے خلاف ابھارنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد المستکفی نے استمالت کے لیے مغرالدولہ کو خود ہی بلا بھیجا۔ ۳۳۲ھ۔ جلدی الاخر کو وہ ایوان خلافت میں آ کے شان و مکننت سے بیٹھا۔ حاکم خراسان

کاسفیر بھی حاضر دربار تھا کہ یکا یک دو دلی نقیب ٹل جاتے ہوئے آئے اور خلیفہ کے ہاتھ کی طرف پڑے۔ آستکفی سمجھا کہ دست بوسی چاہتے ہیں۔ آپ ہی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور انھوں نے بجائے دست بوسی کے خلیفہ کو ہاتھ پکڑ کے تخت سے کھینچ کے نیچے گرالیا۔ پھر اسی کے عامہ سے اُسکی گردن باندھی۔ اور مرزا کو کے گھر میں پکڑ لے گئے۔ ساتھ ہی ایوان خلافت اس طرح لوٹا گیا کہ کوئی ادنیٰ چیز بھی نہیں باقی رہی۔ ابوالاحمد شیرازی جو آستکفی کا کاتب تھا وہ بھی قید کر لیا گیا۔ علم کی جو محل خانہ کی داروغہ تھی زبان کاٹ لی گئی۔ اور لطیف شر کے ہاتھ پر بیعت کر کے غریب تنکفی اُس کے حوالے کر دیا گیا جس نے سنگدلی سے اُسے سلائیان پھیس کر اندھا کر دیا۔

یہ واقعات ہنگامہ مصیبتیں اور آفتیں تھیں جنہیں حضرت شبلی نے وفات سے چھ مہینے پہلے دیکھا تھا۔ مگر اُن کی تو خدا سے لگی ہوئی تھی ان معاملات کا اُن پر بہت ہی کم اثر پڑا ہو گا۔ اور شاید انھوں نے خیال بھی نہ کیا ہو کہ بغداد میں کیا ہو رہا ہے۔

یہ بھی سلطنت اور حکومت کی باتیں تھیں جن سے سوامعززین سلطنت کے تمام رعایا کو کم دخل ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت شبلی کی وفات کا زمانہ سلطنت ہی کے لیے نہیں رعایا کے لیے بھی قیامت خیز اور سخت آفتوں کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس سال بغداد میں ایسا سخت قحط پڑا جیسا کہ اور کبھی نہیں دیکھا گیا تھا بغداد کی کمی سے یہ حالت ہو گئی کہ لوگ مردار جانوروں کو کھانے لگے۔ بہت سے لوگ

کتون اور بلیوں کو پکڑ کے کھا گئے۔ بعض لوگ اس درجے تک عبرت روزگار بنے کہ خود اپنے بچوں کو بھون کے کھاتے ہوئے پائے گئے۔ جب اور کچھ نہ ملا تو لوگوں نے کانٹے کھانا شروع کیے۔ جس کی وجہ سے امراض اور اورام کی شدت بڑھ گئی۔ اور ہر گلی کوچے میں موت کا بازار گرم ہو گیا۔ حتیٰ کہ مردوں کو دفن کرنا دشوار تھا۔ لاکشیاں باہر پڑی سڑتیں اور کتے اور جانور انھیں فوج فوج کے کھاتے۔ آخر بہت سے لوگ بغداد چھوڑ کے بصرے کی طرف چلے۔ کہ شاید وہاں اس عذاب الہی سے بچ سکیں۔ مگر ان میں سے اکثر تو راستے ہی میں مر گئے۔ اور جو زندہ پہنچے وہ بصرے پہنچے مرے۔ جان بر کوئی نہو سکا۔ خلاصہ یہ کہ بغداد میں مکان اور جائیدادیں ایک ایک ٹکڑے پر بک گئیں۔

مہر فین کمال

باوجود ان شدید ترین مخالفوں بلکہ عداوتوں اور آزار رسانیوں کے جن کا ذکر ہو چکا ہے آپ کے کمالات باطنی کی غیاض کرامت تھی کہ مخالفوں میں جس قدر جوش مخالفت بڑھتا اُس سے زیادہ زمانہ آپ کے موافق اور آپ کے فضل و کمال کا معترف ہوتا جاتا اور یہی وجہ تھی کہ ابن ہشام اور ابو بکر قزوی کے ایسے مستند اور مشہور زمانہ علماء اختلاف و اعتراض کرنے کے لیے آئے اور جب آپ کی تقریر سنی تو اپنے شکوک و شبہات سے باز آئے حلقہ گوش عقیدت ہو گئے جامع بغداد کے اندر جن محترم فضلاء کے نام مذکور ہیں ان کے طریقے

سے فقہی مسئلہ پوچھا تھا وہی آپ کی وسیع معلومات اور آپ کا تجربہ علمی و کچھ کے اس درجہ عشق و محبت کے لئے معذرت خواہ ہوئے۔ اور اقرار کر لیا کہ آپ کی تقریر سے بہن وہ باتیں معلوم ہو گئیں جو نہیں معلوم تھیں۔

وہی سلطنت جس نے شائع صوفیہ کو مجرم قرار دیا تھا۔ حضرت جنید بغدادی جس کے خوف سے بظاہر فقیہ اور باطن میں شیخ باطن بنے رہتے تھے۔ جس نے نورانی کو پانچیر کیا۔ جس نے خود حضرت بشلی کے دوست حسین بن منصور کو نہایت عبرت ناک طریقے سے قتل کیا اسی کی یہ حالت تھی کہ جب یہ بیمار ہوئے تو وزیر سلطنت عیادت کو آیا۔ اور شاہی طبیب کو خلیفہ سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے آپ کے علاج کے واسطے مامور کیا۔

دیگر ممالک اور بلاد کے شائع آپ کے خلاف ہوئے تو عراق کے تمام شائع اور ذوق یا بان معرفت آپ کے طرفدار اور ان کی ترویج پر آمادہ ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے جذبات کو علانیہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اس ظہار میں سچائی اور راست بازی تھی۔ یہ صرف راست بازی ہی کی برکت تھی کہ جو مسائل آپ کی زبان سے اور آپ کی صحبت فیض میں سنے جاتے چاہے کیسے ہی نئے اور انوکھے ہوں اور علمائے زمانہ کو ان سے چاہے کیسی ہی وحشت ہوتی ہو مگر آپ کی زبان سے وہ ایسے صدق اور خلوص سے نکلتے تھے کہ اپنا معجزہ نثار کر دکھاتے۔ اور دشمن کو بھی اسیر دام عقیدت کر لیتے۔

اسلام کی اشاعت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کو خاص دخل تھا۔ جس وقت تک آپ ایمان نہیں لائے صحابہ کعبہ میں جاہکے

علامیہ عبادت نہ کر سکتے۔ اور نہ علی رؤس الاشهاد اعتراف توحید کی انھیں جرأت
 چوسکتی تھی۔ حضرت فاروق اعظم نے دین برحق کے قبول کرتے ہی فرمایا کہ جب کہا
 علامیہ کفر و شرک کے رسوم کو بجا لاتے ہیں تو ہم خدا سے واحد و الجلال کی عبادت
 علامیہ کیوں نہ کریں۔ اور اسی وقت جاسکے کہ عین نماز پڑھی۔ اور اعلیٰ کلمۃ اللہ
 کی بنیاد پڑ گئی۔

یہی شان اصول معرفت اظہار اور رموز حقیقت کی تبلیغ میں جناب شیخ
 ابو بکر تبلی سے نمایاں ہوئی۔ آپ کے زمانے تک اصول تصوف کی تلقین خفیہ طور
 پر کی جاتی تھی۔ سید الطائفہ حضرت حمید بغدادی اُن کے خطا کی بیان تک کوشش
 کرتے کہ ہر وارزہ مقتل کر کے گنجی زانو کے نیچے رکھ لیتے تو زبان کھولتے۔ مگر حضرت
 تبلی نے شیخ و مرشد کے زمانے ہی سے اپنے خیالات و جذبات کو علامیہ ظاہر کرنا
 شروع کر دیا تھا۔ اور بعد تو تصوف کو اس قدر ترقی دی اور اُس کے مسائل
 خفیہ کی اس قدر اشاعت کی کہ زمانے میں ہر طرف لوگ اس متبرک فن کے
 مستر ہوئے لگے۔ اور آپ کی دلیرانہ کوشش نے ہر جگہ ایسے جویاے حقیقت
 پیدا کر دیے کہ سارے ممالک اسلام میں وحدت کے خیمے بن گئے۔ اور بہان
 دیکھتے اسی روحانی شراب کا جام چل رہا تھا۔

چنانچہ بعض متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ اصول تصوف کو پہلے حضرت
 ذوالنون مصری نے بیان کیا جو امام دارالہجرت حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ
 کے شاگرد تھے۔ پھر حضرت حمید بغدادی نے انھیں ترقی دی۔ اور اُن کو
 مدون و منضبط کیا۔ اور نمبر پچھ کے اُن کی تبلیغ میں علامیہ آواز حضرت شیخ

ابو بکر شبلی نے بلند کی۔

آپ کی یہی خیر و برکت تھی جو روز بروز آپ کی مقبولیت اور قد و منزلت کو بڑھاتی ہی رہی۔ چنانچہ لوگوں میں علی العموم مشہور تھا کہ شہر بغداد میں (جو ان دنوں دنیائے اسلام کا قلب تھا) بلحاظ تصوف تین عجائبات ہیں۔ (۱) اشارات یعنی رموز کے بتانے میں شبلی۔ (۲) مکاشفات میں مرتضیٰ۔ (۳) حکایات میں جعفر خلدی۔

یہ دونوں بزرگ جو حضرت شبلی کے ساتھ عجائبات بغداد بتائے گئے ہیں خود بھی حضرت شبلی کے کمال کے معترف تھے۔ شیخ شبلی کفرستانہ جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے مشہور تھا۔ اور یہ دونوں حضرات مرتضیٰ اور خلدی کفرستانہ کا بولہ مانے ہوئے تھے۔ اور آپ کی تعریف میں طب اللسان رہتے۔

چنانچہ مرتضیٰ کا یہ قول تھا کہ عجائب بغداد میں ہیں (۱) کفرستانہ۔ (۲) نکتہ مرتضیٰ۔ یعنی خود میرے نکات و رموز۔ (۳) حکایات خلدی۔ اور خلدی بھی ان کے اس دعوے کی تائید میں فرماتے۔ اور اپنے وسیع تجربے کو پیش کر کے کہتے کہ ”میں نے دو ہزار شاخ دیکھے ہیں۔ مگر عراق میں تین عجائبات جمع نظر آئے (۱) کفرستانہ۔ (۲) نکتہ مرتضیٰ۔ اور (۳) حکایات میری۔“

ان دونوں بزرگوں نے اگرچہ حضرت شبلی کے کفرستانہ کو عجائبات بغداد و عراق میں بتایا ہے اور اس عام شہرت کی طرف نہیں توجہ کی کہ ابو بکر شبلی کے

۱۴۴۱ھ و ۱۲۶۰ھ۔ نظری ہٹری آف پریشیا۔ جلد اول۔ ۲۹۸ صفحہ طبقات الکبریٰ الشری۔

۱۴۸۰ھ لغت نفحات الانس۔ ۲۱۳۔

اشارات یعنی آپ کی رمز فہمی سب سے زیادہ عجیب چیز تھی۔ اُن کا لغزہ شبلی کا
مستتر ہونا بجا ہی۔ کیونکہ یہ پر جوش و پر شور لغزہ اُن کے قانون میں گونج رہا ہو گا
مگر آیات قرآنی کے معانی بتانے اور دیگر امور میں آپ جس ذہانت و طباعی
سے خور کر کے نکات و حکم کا پتہ لگایا کرتے تھے وہ ہمیں آپ ہی کا حصہ نظر آتا ہو۔
دھل سرشارے وحدت ہونے کی وجہ سے آپ کے دیگر کمالات جذبہ
وجوش کے دامن میں اس قدر چھپ گئے تھے کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر
بعض معاصرین کی اُن پر نظر نہ پڑی۔ اور واقعی آپ کا جوش و خروش غیر معمولی
اور قیامت خیز تھا۔ دُنیا کی ہر ہر بات سے عبرت حاصل کرتے۔ اور عہد کے
ساتھ ہی بسا جوش پیدا ہوتا کہ اُس کے اظہار کے وقت لوگوں کو بھی از خود رفتہ
کر دیتے اور خود بھی بہوش ہو کے گر پڑتے۔

چنانچہ آپ کے بعد شیخ خرقانی جو ایک بڑے اعلیٰ پایے کے صاحب کشف صوفی
تھے اکثر کہا کرتے ”ابو کبر شبلی ہی تھے جو مست جیسے اور مست مرے۔ اس لیے
کہ میں نے عالم مکاتفہ میں انھیں اس وضع میں دیکھا کہ میرے سامنے ہوا میں
رقص کر رہے ہیں۔“

انھیں امور نے آپ کے بعد لوگوں کا عام خیال آپ کی طرف اس قدر
رجوع کر دیا تھا کہ بعض لوگوں میں آپ کے حالات کی جستجو کا تو غل بے انتہا بڑھ گیا
تھا۔ بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پوچھیں اُسے شبلی کے حالات
دریافت کرتے۔ چنانچہ شیخ ابو سعید بریلوی اخیر ابوالحسن عثمانی سے ملنے کو آئے۔

کی دشواریاں نہیں معلوم؟" سُن کے اُس نے یہ شعر پڑھا۔

دوست آوارگی بھی خواہ
رفق جہانہ اُفتادست
میں نے کہا اُسے ناز پروردہ نوجوان اس تن پروری سے کام نہیں
چلے گا۔" بولا۔

میں نہ باختیار خود سے روم اڑھائے او آن دو کمان عنبرین سے بزم کشان کشان
لے بلی میرا تو اسی وضع میں نشوونما ہوا ہے۔ اس لیے میری اس فروگزشت
کو معاف کرو۔

میں نے پوچھا اچھا سبب کیوں سو گھر رہے ہو؟" بولا تاکہ بلاخیر صحرا کی خوشنوا
بادِ مہوم سے نجات اور فرحت حاصل ہو۔ اس لیے کہ میں بھولوں کی خوشبو کا حادی
ہو رہا ہوں گود لبروں کے ساتھ رہا ہوں۔ اور دل کی کلی کھلتی رہی ہے۔ میں نے
کہا "اچھا آؤ ہم تم اس سفر میں ساتھ اور ایک دوسرے کے ہمدرد رہیں" بولا
"خدا کی قسم یہ نہ ہوگا۔ تم خرقة پوش میں جُعبہ نوش۔ میں خراباتی تم مناجاتی کل
بھی جام مے گلگون اڑا چکا ہوں۔ اور اس وقت تک خار کا اثر باقی ہے۔ بھلا
میرا تھارا نباہ کیونکر ہوگا۔ یہ جواب سُن کے میں اُس سے جُدا ہو گیا۔ اور پھر رات
بھر اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ قافلہ مکہ معظمہ میں پہنچا وہاں
ایک دن جبکہ بڑی سخت گرمی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ وہی نوجوان میزاب رکبہ شریف
کے پرتالے کے نیچے پڑا ہوا ہے پھرہ زرد اور مہچھایا ہوا۔ ناؤ ان اور بیمار نہ وہ
کپڑے پہن۔ نہ وہ دستار ہے۔ نہ وہ جوتیان پہن۔ مگر وہی سیب ہاتھ میں ہے۔
جیسے ناک کے پاس لیجا کے سو گھٹا اور یہ شعر پڑھتا ہے۔

لَدَغْتُ حَيَّةُ الْهُوْمِ كَبْدِي مَالِكَةُ رُفْبَةٍ وَلَا رَأْفَةٍ
 (دافعی عشق نے کلیجہ ڈس لیا۔ اسکا نہ کوئی اتار لپے اور نہ کوئی بھٹاڑنے والا ہیں)
 چاہا اُسے پھوڑے آگے بڑھوں کہ اُس نے دامن پکڑ لیا۔ اور کہا شبلیؒ بچاؤ
 میں نے کہا "تھکرا یہ حال کیونکر ہوا؟" بولا فریاد فریاد ایہ راستہ تو جس میں عشق
 بنا کے لاتے ہیں اور عاشقی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا "یہ وہی سبب
 جسے تم نے کے چلے تھے؟" بولا "اس سبب کی مصیبت سے بھی فریاد ہے شبلی
 دیکھتے ہو میرے ساتھ کیا کیا؟ اور کس طرح پامال غضب بنا دیا؟ پہلے تو کہا تو مشق
 ہے جی نہ میلا کہ جب مجھے صحرائے آزمائش میں مبتلا کیا تو کہا تو عاشق ہے جب
 میں عرفات میں پہنچا تو کہا ابھی تو پہنچے ہے۔ جب میں واسطہ میں پہنچا تو کہا تو
 درمیانی عمر کا ہے۔ پھر جب میں اس گھر پہنچا تو آواز آئی کہ تو اس حرم کا محرم
 نہیں۔ آخر مایوس ہو کے میں نے غلّ مچایا اتنا مطلوب۔ اس کا جواب یہ سنا
 کہ ارجح یا محبوب (لے مجھ پٹ جا) میں اس فکر میں جل کے خاک ہو گیا کہ یہاں
 کچھ نہیں۔ اور اس نغمہ سے آشنا ہوا کہ گھر میں کوئی غیر نہیں۔ اسے شبلی آج میں
 زار و نزار اور اس نزاکت سے بیزار ہوں۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ محب ہوں یا
 محبوب۔ اور نہ اس کی خبر ہے کہ طالب ہوں یا مطلوب۔ حاجون میں ہوں۔
 یا کسی اور کا محتاج ہوں۔ اسی فکر میں جُھٹا اور اسی صدمے سے گھلا جا ہوں۔
 بیمار تو نہیں ہوں مگر اسی فکر کی بیماری ہے۔ اُس کی آہ و زاری نے میرے
 دل پر اثر کیا۔ اُس سے کہا "اچھا آ۔ تجھے اہل ذوق کے پاس لے چلوں۔ اور اس
 حیرت سے نجات دلاؤں" بولا "شبلی۔ مجھے پڑا ہی رہنے دو۔ اس لیے کہ اس حیرت

میں مجھے ایک ویسپی ہے اور اس فکر میں غرہ مٹنے لگا ہے۔ جب اُس نے یہ کہا تو میں اُسے پھوڑ کے چلا آیا۔ اس کے بعد رات بھر میں مسجد حرام کے اطراف و جوانب میں مصروف رہا اور شوقِ ذکرِ با صبح کو جب خانہ کعبہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ابگ اُس شکستہ خاطر جوان کی لاشِ کبیم کے پاس سے اٹھا کے دفن کرنے کے لیے کندھوں پر لیے جا رہے ہیں۔ ایک محرم راتِ حقیقت سے اُس کی حالت پوچھی تو اُس نے یہ شعر پڑھا۔

عاشقانِ کشتگانِ مشوقِ زبرِ نسیا یہ زکشتگانِ آواز

انگلے تصانیف ہی پر موقوف تھیں۔ آج تک جو آثارِ اہلِ تصوف اور روحانی اتفاق میں لکھی جاتی ہیں ان میں حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے ازال و افعال سے کچھ نہ کچھ نائدہ ضرور اٹھایا جاتا ہے۔

حکم

آپ نے حکم دیا اُنہا دریا نے معرفت کے وہ موتی ہیں جو بہت گہرا نقطہ نگاہ کے ساتھ لکھے ہیں ان سے ذہنِ راسخ تو آپ کے شوقِ توحید راہِ برتاؤ اور دریا سے حقیقتِ امور نے کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آیات و احادیث و غیبی میں آپ اپنی ذہانت و طبعی سے ایسے ایسے معنی نکال دیا کرتے تھے جو ظاہر میں معنوں سے الگ اور اہلِ لہف کے دماغی مذاق کے موافق ہوتے۔

شیخ الطائفہ محی الدین بن عربی اور دیگر متاخر ائمہ تصوف نے اس قسم کی نکتہ
آفرینی اور دقیقہ بینی میں اعلیٰ درجہ کا کمال دکھا دیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس مذاق
تفسیر کی بنیاد حضرت شبلی ہی سے پڑی۔ اور یہ طرک جس پر تمام بعدا ولے چلتے رہے ہیں اصل میں
حضرت شیخ شبلی ہی کی نکالی ہوئی تھی۔ آپ کے چند اقوال شیخ یہ کہ آپنا سے لکھنے اور حریفان بنائے
کے قابل ہیں اور ایسے ہیں کہ ان سے ہر خصال مذاق اور پریشانی ملت کا ادبی کیاں قائم رکھا سکتا ہے۔
(۱) آزادی دل کی آزادی ہے اور میں۔

(۲) حق سبحانہ و تعالیٰ سے باتیں کرنے میں شگفتگی ظاہر کرنا بے ادبی ہے۔

(۳) محب اگر خاموش ہو اور عارف اگر نہ خاموش ہو تو ہلاک ہوا۔

(۴) قائم معہ کی طرف دینیے کا نام ہے نہ نسبت کی طرف دیکھنے کا۔

(۵) استقامت اس کا نام ہے کہ یہی موجودہ وقت تجھے قیامت نظر آئے۔

(۶) ہزار سال کی عبادت (یعنی ایک وقت کی بھی غفلت رسوائی ہے۔

(۷) اول دنیا و آخرت دونوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ دنیا محنت کا گھر ہے۔ آخرت

نعمت کا گھر ہے اور دل معرفت کا گھر ہے۔

(۸) مین اگر بادشاہ کی خدمت نہ کر چکا ہو تا تو شایخ کی خدمت نہ کر سکتا۔

(۹) حُرَب ایک دہشت ہے ایک خوف مین۔ اور ایک حیرت ہو ایک نعمت مین۔

(۱۰) جو محبت کا دعویٰ کرتا اور پھر محبوب کے سوا اور چیز کا خواستگار ہو وہ محبوب

کے ساتھ مسخر اپن کرتا ہے۔

معہ نجات المائیں۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ حواری المعارف۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ طبقات الکبریٰ۔ ۱۷۳۔

الصحیحۃ۔ رسالہ تفسیر۔ ۱۰۶۔ ۱۲۳۔ ۲۲۹۔

- (۱۱) جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ خود بلا پر عذاب کرے تو اُسے عار و کجی دل میں لاتا ہے۔
- (۱۲) کسی نے حق تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ کیونکہ پہچانتا تو پھر غیر میں نہ مشغول ہوتا۔
- (۱۳) علم ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنی ذات سے اپنے نفس کو متاثر کر کے پہچانے۔
- (۱۴) عبارت کی علم زبان ہو۔ اور اشارت معرفت کی زبان۔
- (۱۵) ہمت صرف خدا کا طلب کرنا ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے ہمت نہیں۔
- (۱۶) صاحب ہمت کسی چیز پر مائل نہیں ہوتا۔ مگر صاحب ارادہ جھٹ مائل ہو جاتا ہو۔
- (۱۷) جمعیت کئی کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور وہ وحدانیت کی ایک صفت ہے۔
- (۱۸) مذکور کے مشاہدے کے وقت ذکر کو بھول جانا افضل ترین ذکر ہے۔
- (۱۹) حق تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنا بغیر کلمہ و کلام کے ہے۔
- (۲۰) صابر اہل درگاہ سے ہے۔ راضی اہل پیشگاہ سے ہے۔ اور مقبوض اپنے آپ کو خدا پر چھوڑ دینے والا اہل بیت سے ہے۔
- (۲۱) صادق کی علامت یہ ہے کہ حرام کو منہ سے الگ پھینکے۔
- (۲۲) اُس یہ ہے کہ بندے کو اپنے سے وحشت ہو۔
- (۲۳) جو ذکر سے اُس رکھتا ہے وہ اُس کے برابر کب ہو سکتا ہو جو خود مذکور سے اُس رکھتا ہو۔
- (۲۴) ہر نعمت کے نیچے تین مکرمین۔ اور ہر عبادت کے نیچے چھ مکرم۔
- (۲۵) قرب کی علامت ماسواہی اللہ سے قطع کرنا ہے۔
- (۲۶) جو انروی یہ کہ خلقت کی معلومہ کو تو اپنی مصلحت کے مثل بلکہ اُس سے بڑھ کر چاہے۔
- (۲۷) بندہ جو سانس اپنے مالک حضرت جلی جلالہ کی موافقت میں لیتا ہو وہ تمام عبادوں کی قیاست تکاس کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲۸) یہ گھڑی جس میں ٹوس ہے (موجودہ گھڑی) ہزار سال گذشتہ اور ہزار سال آئندہ کی بہ نسبت تیرے لیے غنیمت ہے۔ یعنی عالم ارواح میں ماضی و مستقبل یکساں ہیں۔ ہوشیار کہ تجھے کوئی جہانی شے دھوکا نہ دے۔

(۲۹) اہل معرفت کے لیے ایک گھڑی کی بھول بھی شرک ہے۔

(۳۰) جس طرح خلق کا محبوب حق تعالیٰ سے حجاب میں ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کا محبوب خلق سے حجاب میں ہے۔

(۳۱) ایک گروہ ہے جس کے افراد و عظمیٰ صحتوں میں عادت کے طریقے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے اُسے رسم کے طریقے سے سن لیتے ہیں مگر اس بیٹھنے اور سُننے سے وہ سوا بلا کے کسی چیز کے مستحق نہیں۔

(۳۲) دُعا (پہنیز گاری) یہ ہے کہ کل ماسوی اللہ سے ٹوہ پزیر کرے۔

خاتمہ

ایسے باکمال اور ایسے غریق دریاے معرفت تھے حضرت شیخ ابو بکر شبلی رحمہ اللہ اور افسوس کہ اُن کا ذکر خیر بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ ابھی جی نہیں بھرا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی ذکر ہوتا رہے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم رہے۔ کیونکہ شبلی کو حضرت رب العزت کے ذکر میں جو ذوق و شوق تھا اُس نے خود اُن کے تذکرہ میں بھی ایک مزہ پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی مزہ ہے جس نے اس محترم نام کو دنیاے اسلام میں ہر لغزیز بنا دیا۔ اور امید ہے کہ قیامت تک یہ نام یونہی ہر لغزیز رہے گا۔

اس کی مقبولیت ترقی کرتی جائے گی۔

طبیعیات یعنی مادیات کے فنون میں یورپ نے فی الحال جو ترقیاں کی ہیں وہ عالم پر چھائی جاتی ہیں۔ بہ ظاہر حقیقت شناسی و معرفت کا مذاق روز بروز تنزل اختیار کرتا جاتا ہے۔ اور نظر آ رہا ہے کہ متاثرین سلف اور علمائے باطن کو مزاروں کی شمعیں اس سائنس کے طوفان عظیم کے جھونکوں سے گل ہوا چاہتی ہیں۔ یورپ ہی نے یونان و روم کے فلاسفہ استراقی۔ اور اپنے مذہبی عابد و مرناتق شداد کی سرو بازاری نہیں کی۔ بلکہ اس کی تقلید میں نئی تعلیم پانے والے نوجوانان اسلام بھی اپنے ہمسائے باطن اور روحانیات و اخلاق کے باکمالان سلف سے بدعتیت ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفہ جدید کی مدد سے انسان چاہو تہمان سے تارے توڑ لائے مگر انسان کا مل نہیں بن سکتا۔ وہ ریل نا کے ایک مہینہ کا راستہ ایک گھنٹہ میں طے کر سکتا ہے۔ اُڑنے والا جہاز بنا کے ہوا میں اُڑ سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ روحانیت کے محترم دربار میں بار بار ہو۔

خود فلسفہ جدید کے بانی اور اس کے اکثر پیروں کا دامن باوجود تمام کمالات صوری کے براخلاقی اور مختلف جرائم کے مکروہ و دھتوں سے ناپاک ہے لیکن اس پرستہ عزت کا ایک قطرہ بھی اگر کسی کے حلق سے اُتر گیا تو وہ انسان سے فرشتہ بن گیا۔

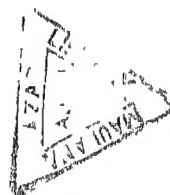
جس سبب سے کہ یورپ والوں نے دو ہی سو برس کے اندر اس جدید مادی مذاق میں ترقی بھی کی۔ اور اُکٹا بھی گئے۔ کیونکہ صد ہا علمائے یورپ سائنس کو چھوڑ چکے روحانیت کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں۔ اور پلیٹا نزم "افلاطونیت" دلون میں

جگہ پیدا کرتی جاتی ہے۔ زمانے کی اگر یہی رفتار رہی تو امید کی جاتی ہے کہ ادبیات
 کے جال میں پھنسا چند روز بعد پھر عوام اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کا کام چلے گا۔
 اور روحانیت و حقیقت کا جو یا ہونا اعلیٰ درجے کے شریف نفس لوگوں کا مشغلہ ہوگا۔
 اس وقت ہمارے نوجوان بھی جوان کی تقلید کو سرمایہ ناز خیال کرتے ہیں۔
 چھستان باطن کی سیر کرتے ہوئے اپنے قدیم باغ معرفت میں آئین گے۔ اور نظر آئے گا
 کہ ہمارے اسلاف میں بھی ابوبکر شبلی کا ایسا عالی پایہ جو باغ حقیقت گذرا ہے
 جس کے سینے کی شمع معرفت سارے عالم کے علمائے روح کی شعوائ کو اسی طرح
 بے نور کیے دیتی ہے جس طرح آفتاب کی روشنی میں تارون کا نور نہ اٹھتا ہو جاتا
 ہو۔ اور وہی زمانہ ہوگا جبکہ شبلی کا سچا مرتبہ معلوم ہوگا۔

وائسٹوا

خاتمه لطف مع

”سلسلہ شاہیہ اسلام“ کا یہ دوسرا نمبر معزز و محترم اور صاحبِ وق و ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کہ آپ والا نصیب۔ ایک حضرت جنید بغدادیؒ کی اور ایک حضرت ابو بکر شبلیؒ کی شایع ہو گئیں۔ جو بہت تہقید و تحقیر اور عرق ریزی و جفا کشی سے مرتب کی گئی ہیں جنہیں جنید ہمدانی کے سوانح عمری کو اعلیٰ و اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے پسند کیا اور بڑی خوشی کی یہ بات ہو کہ پڑانے خیال کے لوگوں نے تو خلعت قبولیت عطا فرمایا ہی تو خیال الون ورتی تعلیم پڑے ہوئے جو لوگ بھی پڑانے ارادہ تھا کہ اب بھی ہم کسی پڑانے صوفی صافی مشرک حالات کی طرف توجہ کریں مگر جناب شاہ الفتاح صاحب قلم سجاد شہین درگاہ ذولی شریح کے اصرار اور بہت سے دیگر حضرات کی تاکید پر ہم صوفیہ کوکل کے علما کے طبقہ میں آئے اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعریؒ کی لائف مرتب کرنا شروع کر دی۔ یہ قلمی اس لائف کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ قریب سیارہ اہل سنت تھے جن کی یا شافعی مالکی یا حنبلی اصول و عقائد میں سب حضرت ابوالحسن اشعریؒ کے پیرو ہیں۔ اور یہی خدمت دین اسلام کی اہم خدمت کی ہو کسی سے نہ ہو سکتی تھی جب فلسفہ یونان کا اسلام کے عقائد پر حملہ ہوا۔ تمام محدثین و فقہات کچھ چاروں میں پڑا تھا۔ اور عوام صراطِ مستقیم سے بھٹکے جاتے تھے اس وقت ابوالحسن اشعریؒ آئے اور تمام مخالفین کو پادار کر کے ملت بیضا کو سب غالب کیا۔ خلاصہ یہ کہ یہی فتح اسلام کو دیگر ادیان کے مقابل میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں تلوار سے جھل ہوئی تھی۔ یہی ہی فتح فلسفہ یونان اور یہ عقیدگی کے مقابل میں اسلام کو ابوالحسن اشعریؒ کے ہاتھوں قلم سے جھل ہوئی۔ لائف اسید ہو کہ جلد مرتب کیے شایع ہو جائے۔ مگر اس کا حجم بہت کم ہے قریب ایک اس بڑے مفاد پر آتا ہے۔ لہذا ہم بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کی قیمت کیا ہوگی۔ یہاں پر یہی حسبِ عہد اجازت ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کا ڈ بھیج کے تمام خریداران جنید شبلیؒ کی خدمت میں تھی۔ یہی بھی جانے گی۔ خاکسار۔ منیجر دگلدار۔



	11827	
2189	201	25000

10
11
12
13
14
15
16
17
18
19
20
21
22
23
24
25
26
27
28
29
30
31
32
33
34
35
36
37
38
39
40
41
42
43
44
45
46
47
48
49
50
51
52
53
54
55
56
57
58
59
60
61
62
63
64
65
66
67
68
69
70
71
72
73
74
75
76
77
78
79
80
81
82
83
84
85
86
87
88
89
90
91
92
93
94
95
96
97
98
99
100